R.N.I. No. MPURD/8070/1963

پندرہ روزہ

نشانِ منزل بھوپال

FORTNIGHTLY **NISHAN-E-MANZIL** BHOPAL

جلدنمبر:۶۳ شمارہ نمبر: ۱۳ بروز منگل یکم جولائی ۲۰۲۵ء مطابق ۵ محرم الحرام ۱۴۴۷ھ قیمت ۳ روپے صفحات ۸: -/Rs.3 DATE 01-07-2025 PAGE-8 S.NO:13 VOL.NO. 63

اداریہ

راہ روئے منزل

عمیر الصدیق ندوی

زندگی کا حاصل کیا ہے؟ اس سوال کا جواب بے شمار انسانوں کی طرح بے شمار ہی ہوگا لیکن آسان اور مختصر جواب کی گنجائش ہمیشہ بے شمار جوابوں میں بہرحال رہتی ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی زندگی کا ماحصل اگر ہے تو یادوں کا سرمایہ ہے بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا ہر موڑ سے گزرتے ہوئے زندگی اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتی ہے اور آخر میں مسافر کی گٹھری میں جو بچ رہتا ہے وہ یہی یادوں کی متاع ہے اور مرنے کے بعد تمام زندگی کا حساب کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔

نشان منزل کے اس شمارہ نے اچانک ایسی کچھ یادوں کو زندہ کر دیا، یاد آئے مولانا عبدالماجد دریابادی کے چند الفاظ جن کا تعلق نشان منزل سے ہے اور جو مولانا حبیب ریحان ندوی ازہری کو خطاب کرتے ہوئے لکھے گئے تھے کہ ’’رہروانِ منزل کے لئے نشان منزل بھی بڑی چیز ہے، چہ جائیکہ آپ کا پرچہ جو نشان محض منزل کا نہیں منزل مقصود کا پتہ دیتا ہے مبارک ہوں ایسے نشان اور نشان بردار دونوں۔

مرحبا اے پیک فرخ فال ما
ایک بار پھر لکھا کہ منزل تک رسائی ہو یا نہ ہو یہ امتیاز کیا کچھ کم ہے کہ نشان منزل دکھاتے رہنے کی خدمت مدت دراز سے آپ اپنے ذمے لئے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو سب کو راہ منزل سے گزرتا ہوا منزل مقصود تک جا پہنچائے۔

ایک بار پھر لکھا کہ ’’منزل مقصود تو ہر کلمہ گو کی ایک ہی ہے اور الحمدللہ کہ آپ کا نشان منزل اس کی نشان دہی ہر ہر منزل پر کرتا جاتا ہے، مبارک اس سفر کی منزل اور مسافر کو ہر قدم پر اس کی نشان دہی بندے کے ہاتھ میں توفیق کے سوا اور ہے کیا؟ نتیجہ عاجل اس کے بس کا نہیں لیکن ثمرہ آجل بہرحال اس میں گیا نہیں، ہمارے اور آپ کے لئے یہی سب کچھ ہے۔

نشان منزل کیا کچھ یاد نہیں دلاتا ہے بس یاد کرنے اور یاد رکھنے کی طلب ہونا چاہیے اس شمارہ کا یہی پیغام ہے ’’نظر میں آنے والا کل اور خیال میں گزرا ہوا پل‘‘ منزل مقصود کے حصول میں کامیابی کے لئے اور کیا چاہیے؟

سید شرافت علی ندوی

زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے

دنیا کے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے بارے میں غور کرے کہ وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے؟ اللہ نے جو کچھ مخلوق یہاں پیدا کی ہے وہ بلاوجہ اور بے مقصد نہیں ہے ہر ایک کا ایک مقصد ہے ایک زندگی ہے اور زندگی کا طریقہ ہے۔ اس کے مطابق وہ اپنی زندگی گزار رہی ہے اس طرح اپنے خالق ورب کی ڈیوٹی انجام دے رہی ہے زمین وآسمان چاند سورج ستارے، ہوا پانی پہاڑ جنگلات، باغات، حیوانات، پرندے اور مچھلیاں نیز بے شمار کھانے پینے کی چیزیں اجناس پھل اور ہر طرح کے میوے سب اپنا مقصد پورا کر رہے ہیں اور فطرت کے خلاف بال کے برابر بھی انحراف نہیں کرتے ہیں۔ آخر انسان ایسا کیوں نہیں سوچتا کہ میرا اس دنیا میں کیا مقصد ہے؟ جبکہ دنیا اور اسکی تعمتیں اور لذتیں صرف اسی کے لئے ہیں، یہ اسلام ہی نہیں دنیا کے ہر مذہب کا عقیدہ اور فلسفہ رہا ہے کہ ساری دنیا انسانوں کے لئے ہے لیکن انسان دنیا کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ اس دنیا کے لئے ہے جو اس کائنات کی ہر چیز سے بہتر اور خوبصورت ہے وہ دنیا ہمیشہ رہنے والی ہے اس دنیا کی طرح ختم ہوجانے والی، فنا ہوجانے والی نہیں ہے وہ ابدی ہے لازوال ہے، دنیا کے ہر انسان کو اس دنیا کی زندگی میں مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے اجر وثواب کے لئے دل میں صحیح عقیدہ اور اعضاء سے نیک اعمال کرنا ہے اسی سے اس دنیا کا دروازہ کھلے گا اور خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی یہی تخلیق انسانی کا مقصد ہے اس سے منہ پھیر کر زندگی کی لذتوں اور عیش وآرام اور نفسانی خواہشات کے لئے شب وروز گزارے گا اور اسی کے لئے دوڑ دھوپ کرے گا تو اس کو نہ یہ دنیا ہاتھ آئے گی اور نہ وہ دنیا یعنی آخرت میں بھی ناکام ونامراد ہوگا، الحمدللہ ہم انسان ہیں، انسان ہی نہیں اللہ کے انتخاب سے اہل ایمان میں ہمیں نسب الٰہی بھی حاصل ہے اور نسبتِ محمدی ﷺ کا بھی ہمیں اعزاز ملا ہوا ہے ہم دنیا کے اور انسانوں کی طرح عوام نہیں ہیں جو کالانعام ہوتے ہیں اور جنکی زندگی میں کھانا پینا اور جینا مرجانا ہے ہم اہل ایمان ہیں ہماری زندگی اس حدیث کے مطابق گزرنا چاہیے جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ ’’عقلمند انسان وہ ہے جو اپنا جائزہ لے اپنا محاسبہ کرے اور وہ عمل کرے جو آخرت میں کام آئے اور بے عقل انسان وہ ہے جو خواہشات ہی کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور اللہ سے یہ آرزو کرتا رہے کہ وہ معاف کردے گا وہ مجھ سے خوش ہو جائے گا‘‘ یہ سراسر حماقت ہے کہ انسان آخری سفر پر اس طرح جائے کہ اسکا عقیدہ بھی فاسد ہو اعمال بھی فاسد ہوں اور خیر کے نام پر اس کے پاس صرف اہل اسلام کی طرح کا نام ہو۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۸)

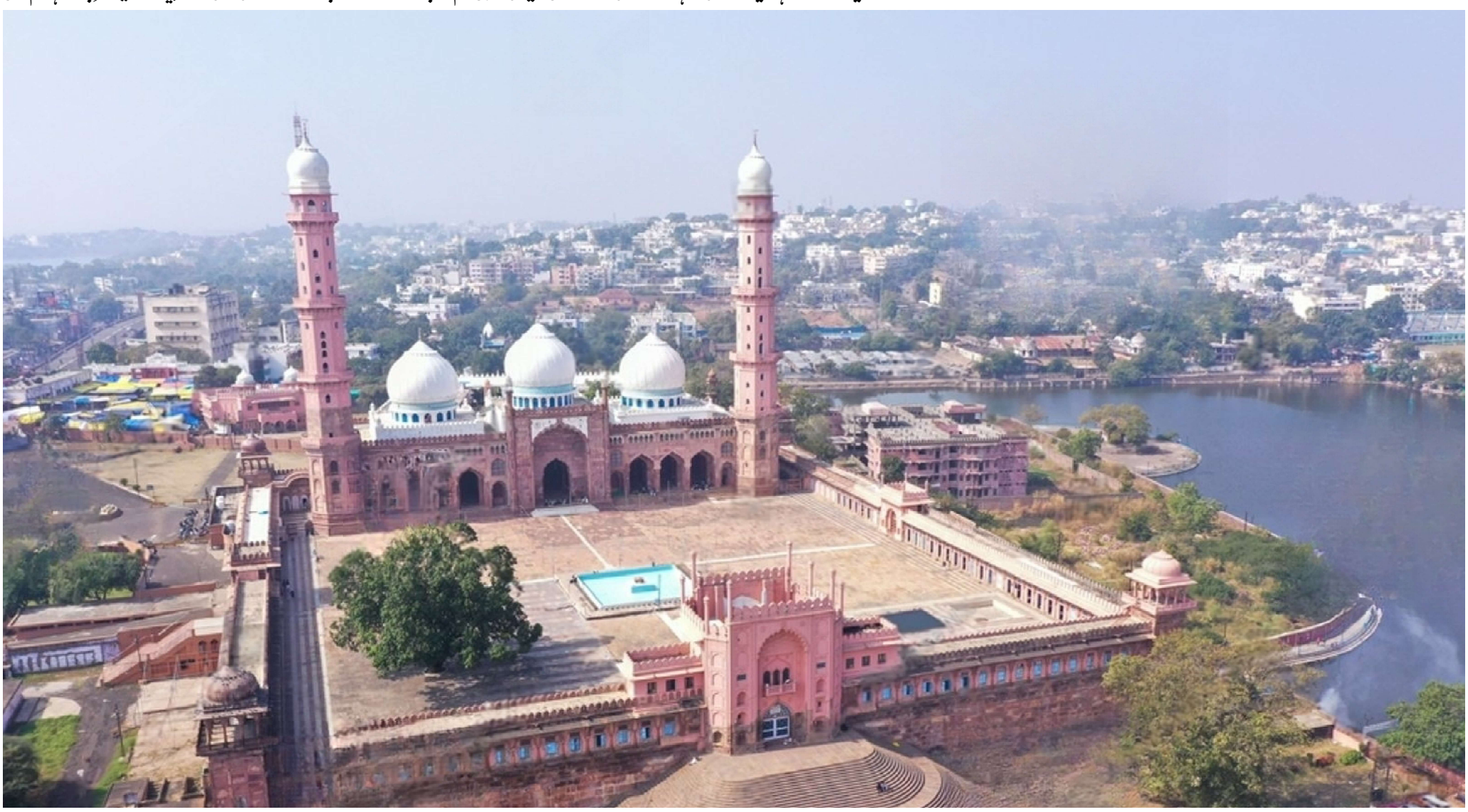

ناموافق حالات میں اہل ایمان کا رویہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اخلاق وسیرت کے اعتبار سے دنیا میں ہمیشہ دو قسم کے لوگ رہے ہیں، ایک وہ جن میں کسی عقیدہ کسی اصول اور کسی صداقت پر زیادہ دیر تک قائم رہنے اور اس کے لئے کسی مخالف اور کسی آرائش کا مقابلہ کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہوتی، وہ کسی عقیدہ واصول پر اس وقت تک قائم رہ سکتے ہیں جب تک سارا ماحول اور ساری فضا اس کے لئے سازگار ہو اور اس کو سوسائٹی کی تائید اور سرپرستی حاصل ہو، واقعات اس کی تصدیق و توثیق کر رہے ہوں، اس کے ماننے والوں کی مادی کامیابیاں اس کی صداقت پر مہر تصدیق لگا رہی ہوں کوئی قابل التفات آواز اس کے خلاف نہ اٹھ رہی ہو۔اس وقت اس عقیدہ پر ان کا اطمینان قلب بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کی ذہانت اپنا پورا کام کرنے لگتی ہے، اور ہر طرف ان کو اس کی تائید ہی تائید نظر آتی ہے۔ لیکن جیسے ہی مطلع غبار آلود ہوتا ہے، زمانہ کے تیور بدلتے نظر آتے ہیں، ان کا سینہ تنگ اور ذہن کندہ ہونے لگتا ہے، قوت ارادی اور قوت عمل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جواب دینے لگی ہے، کان میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غیبی آواز آرہی ہے کہ ؎

چلوتم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

قرآن مجید میں اس صورت حال کی نہایت سچی اور بلیغ تصویر کھینچی گئی ہے **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فتنةٌ انقلبَ على وجهه** ترجمہ: بعض آدمی اللہ کی بندگی ایسے طور پر کرتے ہیں جیسے کسی کنارہ پر کھڑے ہوں، اگر ان کو کوئی نفع پہونچتا ہے تو ان کو قرار رہتا ہے اور اگر کوئی آزمائش ہو جاتی ہے تو اپنے منہ کے رخ پر پلٹ جاتے ہیں۔

دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے کہ جب تک اُن کو نرم و ہموار راستہ ملتا رہتا ہے وہ دھیمی چال چلتے رہتے ہیں انہیں کسی خاص عزم وجوش اور قوت ارادی کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جیسے ہی ان کے راستہ میں رکاوٹیں آتی ہیں، ٹیلے اور چٹانیں انکو اپنے ارادہ سے باز رکھنا چاہتی ہیں خاردار جھاڑیاں ان کا دامن پڑتی ہیں سنگریزے اور پتھر ان کے پاؤں پڑتے ہیں، راستہ کی دلآویزیاں ان کو پھیلاتی ہیں ان میں منزل مقصود کا عشق ترقی کرتا ہے اپنے سفر کی تکمیل کا ارادہ جنون کو پہنچ جاتا ہے، ان کی رفتار اور طاقت کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے۔ ان کو نہ راستہ کی ناہمواری کا احساس رہتا ہے، نہ مسافت کی زیادتی کا، نہ اپنے تکان کا۔ میدانی ندی آہستہ آہستہ اور مزے مزے سے بہتی رہتی ہے لیکن پہاڑی دریا کو جب کوئی مغرور چنان یا ضدی پتھر اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو وہ جوش میں آکر آبشار کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اپنی آواز سے کوہ وصحراء کو پُر شور بنا دیتا ہے اور اپنے زور میں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کو بہا کر اور بڑے بڑے پتھروں کو گرا کر سرمہ بنا دیتا ہے، اس وقت اُس کے جوش کے سامنے نہ ہاتھیوں کے پاؤں جم سکتے ہیں نہ پہلوانوں کے پہنچے۔ یہی حال اہل یقین کا ہے کہ جب ان کو ہر طرف مزاحمتیں اور آزمائشیں نظر آتی ہیں، تو ان کا اپنے عقیدہ پر ایمان اپنے اصول کی صداقت کا یقین اور اس پر قائم رہنے کا جذبہ اور جوش بڑھ جاتا ہے۔ ہر رکاوٹ میں انکو اپنے عقیدہ کی صحت کی دلیل اور ہر آزمائش میں انکو اپنے مسلک کی صداقت کا تازہ ثبوت نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے واقعات، طبیعی عادات اور نفس کی خواہشات سے عقائد واصول کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ ان کے راستے کی مشکلات اور اس راہ کی آزمائشیں ہی ہیں، قیمت کی زیادتی اور سودے کی کیابی اس کی بیش قیمتی اور مقبولیت کی دلیل ہے **-أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ عَالِيَةٌ أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةُ (حدیث)** یاد رکھو اللہ کا سودا بڑا قیمتی ہے، اللہ کا سودا جنت ہے۔

اس سودے کی خریداری طبعی ناگواریوں کے بغیر ممکن نہیں **حفت الجنة بالمكارة وحُفَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ** ترجمہ: جنت ان تمام چیزوں سے بھری ہوئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور جہنم ان تمام چیزوں سے گھری ہوئی ہے جو نفسانی وطبعی طور پر نہایت خوش گوار ہیں۔

اسی لئے جب رکاوٹوں، دقتوں اور وقت کی آزمائشوں میں لوگوں کے لئے تذبذب وتردد کا سامان ہوتا ہے، اہل یقین کے لئے یقین کی ترقی اور اطمینان کی زیادتی کا سامان ہوتا ہے، موجوں کے تھپیڑوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ جہاز سمندر میں آچکا ہے اور اپنے سفر پر روانہ ہے۔ گودی میں لگے ہوئے اور خشکی پر کھڑے ہوئے جہاز کے لئے کیسی موج اور کہاں کا تلاطم؟ مزاحمتوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہماری دعوت اور ہمارے عقیدے نے اپنا طبعی سفر شروع کر دیا ہے اور یہ جو کچھ پیش آرہا ہے اس کی قدرتی منزلیں ہیں۔ قافلہ اگر صحیح سمت کی طرف روانہ ہوا ہے تو اس کو راستہ کی وہ سب منزلیں اور مقامات ملیں گے جو واقف کار رہنما نے بتلائے تھے اور ان کی پیشگوئی کی تھی، اسلئے ان منزلوں کے پیش آنے سے قافلہ کے ہمراہیوں کو اپنے سفر کی صحت اور اپنے رہنما کی بصیرت پر اعتماد بڑھتا ہے کہ یہ جو کچھ پیش آرہا ہے بالکل وہی ہے جس کی اس نے خبر دی تھی۔ **فلما رأى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زادهم إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيماً** ترجمہ: جب غزوہ خندق کے موقع پر اہل ایمان نے مخالفین کی فوجوں کو دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کے ایمان وتسلیم میں ترقی ہوئی۔

راستہ کی مشکلات اہل یقین اور اہل عزم کے لئے تازیانہ شوق کا کام دیتی ہیں ان سے ان کی، ذہانتیں ابھرتی اور طاقتیں ابلتی ہیں، علم وتمدن کی ترقی میں بھی مشکلات کا بڑا ہاتھ ہے اور اہل دین کی روحانی ترقی میں بھی مشکلات کا بڑا دخل ہے اگر مشکلات نہ ہوتیں تو میں قوتیں ٹھٹھر کر رہ جاتیں، ذہانت کے بہت سے چشمے خشک ہو جاتے، انسانی کوششیں اور انسانی ذہن سیدھی پٹری پر آرام سے چلنے کے عادی ہو جاتے، زندگی کے مسائل ومشکلات میں دماغ، اجتہاد سے اور قوائے عمل مقابلہ جہاد سے عاری ہو کر رہ جاتے، زندگی کے دریا کی سطح بالکل ساکن ہو جاتی جس پر کائی جمی ہوتی۔ سچ پوچھئے تو مشکلات سے بہت کچھ زندگی کی ہمامی اور چہل پہل قائم ہے۔

سہولتوں اور راحتوں کی فراہمی جمود وغفلت کا پیش خیمہ ہے اور جمود وغفلت قوموں کے زوال، سلطنتوں کے سقوط اور عام بربادی کا مقدمہ ہے، دنیا کے مسلمانوں پر بھی اور ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی سہولتوں اور راحتوں کا طویل دور گزرا اور اس کے نتیجہ کے طور پر وہ طویل عرصہ تک جمود وغفلت کا شکار رہے، اور اس کا طبعی نتیجہ ظاہر ہوا اب تمام دنیا میں مشکلات کا دور ہے، یہ دور اگر انہوں نے صبر واستقامت سے گزار دیا اور ان کے قویٰ بیدار ہو گئے تو ان کی تاریخ کے نئے اور بہتر دور کا آغاز ہوگا جس کی پیشگوئی **وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ** کہہ کر کی گئی اور جس کی طرف سے **إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً** "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً دو دو بار کہہ کر اطمینان دلایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات سے تمہیں زیادہ راحتوں اور سہولتوں کا دور خطرناک امتحان ہے کہ اس میں ذرا سی چوک بڑی گرفت کا سامان بن جاتی ہے۔ **فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ** ترجمہ: جب وہ ان چیزوں کو بھول گئے جو کہ ان کو یاد دلائی گئی تھیں، تو ہم نے ہر چیز کے دروازے اُن پر کشادہ کر دیے۔ یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر اترا گئے جو ان کو دی گئی تھیں، ہم نے اُن کو دفعۃً پکڑ لیا پھر وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔

اور راحتوں اور سہولتوں کے دور میں ہوشیار وخبردار رہنا اور دولت وقوت کے نشہ سے سرشار نہ ہونا بڑا مشکل اور قوموں کی تاریخ کا بڑا نادر واقعہ ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کے جانشینوں اور صدیقین وصالحین ہی کا کام ہے جن کی اعلیٰ روحانی واخلاقی تربیت ہو چکی ہو، ورنہ

تاریخ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے
صاحبِ نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیر وز میں گیر کے آگے
عقل وخرد علم وہنر ہے خس وخاشاک

محرم الحرام: صبر، قربانی اور انسانی وقار کا ابدی پیغام

مولانا ڈاکٹر اطہر حبیب ندوی

محرم الحرام، اسلامی سال کا پہلا مہینہ، نہ صرف ایک تقویمی آغاز ہے بلکہ یہ ایک ایسا زندہ جاوید باب ہے آج ہم ایک نئے سال کے دہلیز پر کھڑے ہیں۔ یہ محرم کا مقدس مہینہ ہے، جو نہ صرف اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے بلکہ اللہ کے نزدیک چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ.

"بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے، اُس دن سے جب اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اِن میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے، سو اِن مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔'' (سورۃ التوبہ:۳۶)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ

"سال کے بارہ مہینوں میں سے چار حرمت والے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب (مضر) جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔" (بخاری)

محرم میں روزے کی فضیلت

ماہِ محرم میں نفلی روزے رکھنا بہت ثواب کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ

"رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔" (مسلم)

اس مہینے کا دسواں دن (یوم عاشوراء) خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کی تاکید فرمائی۔

عاشوراء کا واقعہ اور عبرت

یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی۔ یہودی اس دن روزہ رکھتے تھے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: قَدِمَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمَدِينَةَ، فَرَأَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالُوا: هَذَا يَوْمٌ صَالِحٌ، هَذَا يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ، فَصَامَهُ مُوسَى شكراً لله تعالى، قَالَ: فَنحن أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ، ونحن نصومه تعظيماً له، فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ

"ہم موسیٰ کے تم سے زیادہ حق دار ہیں۔" (بخاری و مسلم)

لہٰذا، ہمیں بھی اس دن روزہ رکھنا چاہیے تاکہ ہم یہودیوں کی مخالفت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صيام يوم عاشوراء، إني أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله

"عاشوراء کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے" (مسلم)

لیکن یاد رہے کہ یہ صرف صغیرہ گناہوں کے لیے ہے، کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ ضروری ہے۔

عاشوراء کے دن کیسے منائیں؟ روزہ رکھیں:

لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع مع العاشر يعني عاشوراء

خالفوا اليهود، صوموا يومًا قبله أو يومًا بعده

صرف ۱۰ محرم (عاشوراء) کا روزہ رکھنا جائز ہے۔

لیکن افضل یہ ہے کہ ۹ اور ۱۰ محرم یا ۱۰ اور ۱۱ محرم کے روزے رکھے جائیں تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو۔

اللہ کا شکر ادا کریں: اس دن اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کریں۔

صدقہ وخیرات کریں: غریبوں اور مسکینوں کی مدد کریں۔

عاشوراء کی تاریخی اہمیت

یوم نجات: فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔

یوم استواء السفینہ: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی پہاڑ پر ٹھہرنا۔

یوم توبہ: حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونا۔

یوم شہادت: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت۔

غلط رسومات سے اجتناب

کچھ لوگ عاشوراء کے دن سینہ کوبی، ماتم، زخم لگانا، اور خون بہانا جیسے غیر اسلامی کام کرتے ہیں۔ یہ تمام اعمال بدعت اور گناہ ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو گال پیٹے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرے۔" (بخاری ومسلم)

یومِ عاشوراء: حق واہلِ حق کی فتح کا دن

آج جب مسلمان یکے بعد دیگرے مصیبتوں اور آزمائشوں کی لپیٹ میں آکر مایوسی اور پژمردگی کا شکار ہیں، ایسے میں یومِ عاشوراء ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی طاقت کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان میں ہر شے پر قادر ہے، وہ جب کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو بس فرماتا ہے: "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔

ماہِ محرم الحرام اللہ کا مہینہ ہے، عزت وعظمت اور کامیابی کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون جیسے سرکش، متکبر اور مغرور حکمران پر غلبہ عطا فرمایا، چاہے فرعون کے پاس کتنا ہی لشکر اور طاقت کیوں نہ تھی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، مگر جب پکڑتا ہے تو پھر مہلت نہیں دیتا۔ عاشوراء کے دن ہم اس عظیم فتح کی یاد مناتے ہیں، اور اعلان کرتے ہیں کہ دعوتِ حق کو ظلم، جنگ اور اذیتوں سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ ظلم کا انجام بدترین ہوتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۸)

بالِ جبریل

علامہ اقبال

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی
کہیں سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری
کہیں سب کو پریشاں کر گئی میری کم آمیزی
زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
سواد رومۃ الکبریٰ میں دل یاد آتی ہے
وہی عبرت وہی عظمت وہی شان دل آویزی

مولانا ابوالکلام آزادؒ

فن اخبار نویسی

یورپ اور امریکہ نے جو آج کل حیرت انگیز ترقی کی ہے، اور علوم وفنون، تہذیب وشائستگی میں جوان کا آج طوطی بول رہا ہے، ان میں من جملہ اور اسباب ترقی سے ایک بڑا سبب اخبار دیکھنا ہے، جسے اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک اور بچے سے لے کر بوڑھے تک روزانہ ہر ایک دیکھا کرتا ہے اور علمی وعملی فیوضات حاصل کرتا ہے۔ چوں کہ کچھ عرصہ سے ہندوستان اور پنجاب میں بھی اخباروں کا چرچا ہو رہا ہے۔ اکثر اردو اخبارات ترقی کر رہے ہیں، لوگوں کو ایک حد تک ان سے دلچسپی بھی ہوگئی ہے، اس لیے ہم اس فن کی مختصر تاریخ اور اس کے اقسام وغیرہ بیان کرتے ہیں۔

اخبار کا موجد: اس بارے میں سخت اختلاف ہے کہ اخبار کا موجد کون ہے، چین والے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کی ایجاد کرنے والے ہم ہیں۔ روما والے مدعی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام سے کئی سال پیشتر ہم نے جاری کیا تھا۔ لیکن یہ تمام باتیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں، کیوں کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ فی الواقع اہل چین یا اہل روما اس کے موجد ہیں، اور سیکڑوں برس پہلے یہ شائع کر چکے ہیں تو بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ ہم جس اخبار کا بیان کر رہے ہیں، اور اخبار سے جو مفہوم بالفعل سمجھا جاتا ہے، اس میں اور اس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ والشان بینہ۔

اخبار جب ہی اخبار ہوسکتا ہے جب کہ اس کے متعدد نسخے اشاعت کی غرض سے موجود ہوں، اور ساتھ ہی مختلف مقامات میں بھیجنے کے آسان وسائل بھی میسر ہوں۔ اور یقیناً اس زمانے میں یہ تمام باتیں مفقود تھیں۔ نہ تو مطبع تھا کہ دس چھوڑ ہزار نسخے بہم ہوجائیں۔ اور نہ یہ انتظام ریل تھا کہ جہاں چاہیں مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک بھیج دیں۔ اس لیے اس زمانے کے اخبار پر اخبار کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ بس اخبار جب ہی سے اخبار ہوسکتا ہے جب سے یہ چھاپہ خانہ ایجاد ہوا ہے، اس اعتبار سے اس چیز کی ایجاد کا سہرا اہل جرمن کے سر باندھنا چاہیے، جنہوں نے پندرھویں صدی عیسوی میں پہلا اخبار دنیا میں پیش کیا، اور ہمارے نزدیک پہلے پہل یہی اخبار شائع ہوا۔ والعلم عنداللہ۔

انگلستان: انگلستان میں پہلے پہل اخبار ۱۶۲۲ء میں جاری ہوا۔ یہ وہی اخبار ہے جو آج کل ٹائمز کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ پہلے اس کا نام ویکلی نیوز تھا۔ پھر ۱۷۸۵ء سے ٹائمز کا نام اختیار کر چکا ہے، اس کے بعد ٹیٹلر وغیرہ اسٹیل اور اڈیسن نے شائع کیے، اور پھر گویا یہ راستہ سبھوں کو معلوم ہوگیا۔ لیکن اس کی اصل داغ بیل انگلستان میں ویکلی نیوز ہی نے ڈالی۔

فرانس: فرانس میں پہلا اخبار ۱۶۳۱ء میں شائع ہوا۔ جس کا نام گزٹ دی فرانس تھا۔ اس میں زیادہ تر ملکی معاملات پر بحث ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد بہت سے اخبار شائع ہوئے، لیکن ابتداء میں فرانس سے ۱۶۳۱ء ہی کو اخبار نکلا۔

روس: روس میں پہلا اخبار ۱۷۰۳ء میں شائع ہوا۔

امریکہ: یہ کون نہیں جانتا کہ جو ترقی امریکہ نے اخبارات میں کی ہے وہ یورپ کو نصیب نہیں ہوئی۔ بڑی تحقیق سے معلوم ہوا کہ اخبار یہاں سے پہلے پہل ۱۷۰۳ء میں شائع ہوا۔ اس کا نام بوسٹن نیوز لیٹر تھا اور اس کا دفتر شمالی امریکہ میں تھا۔ اس سے قبل اہلِ امریکہ جانتے بھی نہ تھے کہ اخبار کیا چیز ہے۔ آج جو ترقی امریکہ کو نصیب ہوئی ہے وہ بہت کچھ اخبار ہی کی بدولت ہے۔

اخبار کی قسمیں: یورپ میں جہاں اس مفید اخبار نویسی نے اعلیٰ درجے کی ترقی کی ہے۔ اخبار کی بہت سی قسمیں ہوگئی ہیں۔ اور ہر ایک قسم کے اخبار ایک نہیں سیکڑوں شائع ہوتے ہیں۔ مگر اس کی مفید اقسام اور اعلیٰ مضامین یہ ہیں:

اقسام: گزٹ، میگزین، ریویو، جرنل وغیرہ

مضامین

مذہبی، تعلیمی، تجارتی، قومی، ٹیکنیکل وغیرہ

اخبار کی تعریف

چوں کہ اخبار کے بانی اور موجد اہل یورپ ہیں، اس لیے انہیں کی تعریف ہمارے نزدیک معتبر ہے۔ اخبار جمع ہے خبر کی۔ خبر کو انگریزی میں نیوز کہتے ہیں۔ نیوز میں چار حرف ہیں۔

NEWS

یہ چار حرف ان چار لفظوں کا اشارہ کرتے ہیں،

N (اشارہ ہے) North کا جس کے معنی ہیں شمال۔

E (اشارہ ہے) East کا جس کے معنی ہیں مشرق۔

W (اشارہ ہے) West کا جس کے معنی ہیں مغرب۔

S (اشارہ ہے) South کا جس کے معنی ہیں جنوب۔

اب دیکھو کہ اس چھوٹے سے جملے میں کتنی بڑی وسعت ہے کہ جہات اربعہ کو لئے ہوئے ہے۔ بس اخبار کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ مجموعہ اک وقت معین پر شائع ہونے والا جس میں مغرب، مشرق، جنوب، شمال کی تمام خبریں اور ان جہات اربعہ کے متعلق مفید باتیں درج ہوں۔

اخبار کے فوائد

ناظرین! کیا اخبار کے سوا دنیا میں کوئی بڑی سے بڑی ایسی دوربین ہے جس سے آپ دنیا کو اپنا منظر بنا سکیں؟ اور کیا اخبار کے سوا کوئی اونچے سے اونچا بلند مقام یا کوئی پہاڑ ہے جس پر بیٹھ کر آپ تمام دنیا کا مظاہرہ کرسکیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! نہ دنیا میں کوئی ایسی دوربین ہے نہ کوئی ایسا بلند مقام ہے۔ یہ صرف اخبار ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ملاحظے سے آپ تمام دنیا کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اور جس کے حاصل کرنے سے آپ تمام دنیا کے نظارے حاصل کرسکتے ہیں۔

پچھلے زمانے میں واقفیت اور معلومات حاصل کرنے کا، عجائبات عالم دیکھنے کا، سوائے سفر کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اس میں علاوہ صرف کثیر کے کہ جس کی وجہ سے غریب اور مفلس شخص اس سے مستفیض نہیں ہوسکتا، محنت، تکلیف اور پریشانی بہت تھی، اور بعض اوقات خود جان کا خطرہ تھا۔ علاوہ بریں اگر ایک شخص متعلقین کی جدائی اور پریشانیوں کا متحمل بھی ہوتا، اور تمام عمر سیاحی بھی اختیار کرتا، جب بھی تمام دنیا کی سیر نہیں کرسکتا تھا لیکن اخبار ایک ایسی چیز ہے کہ گھر بیٹھے بلامحنت ومشقت تمام دنیا کی سیر کرے اور معلومات اور عجائبات عالم کی سیر سے طبیعت کو محظوظ کرے۔

یورپ میں اخبار سلطنت کا ایک جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کہ رعیت کے خیالات کی باگ فی الواقع اخبار کے ہاتھ میں ہے۔ پرنس بسمارک کی کیفیت یہ تھی کہ جب کبھی معاملات ملکی میں اسے کوئی خاص طرز اختیار کرنی ہوتی تھی تو اس سے قبل ہی وہ اخبار میں تاکیدی مضامین شائع کرا دیتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ تمام ملک اس کا ہم زبان ہوکر اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا تھا۔

یورپ کے اخباروں کو آج وہ طاقت حاصل ہے کہ جو چاہیں سو کریں، ایک سے دوسرے کی جنگ کرا دیں یا کسی جنگ میں صلح کرا دیں یا ایک کا ملک چھنوا کر دوسرے کو دلوا دیں۔ کسی عہدہ دار کو معزول کرانا اور کسی ادنیٰ شخص کو اعلیٰ عہدے دار بنانا ان اخبارات کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

اخبار کی خاص صفتیں

اخبار گورنمنٹ کے حقوق اور منشا کی حفاظت کرتا اور رعایا کے حقوق گورنمنٹ سے حاصل کرتا ہے۔

اخبار علمی مذاق ہر طور سے پھیلاتا ہے، اور قابلِ توجہ باتوں پر توجہ دلاتا ہے۔

اخبار غیر ملکوں کی اچھی باتوں کو ہم تک پہنچاتا ہے۔ اور ہماری باتوں کی ان تک اشاعت کرتا ہے۔

اخبار ہر ملک کے حالات، رسم ورواج، آب وہوا، طرز معاشرت، طرز حکومت، مذاہب، عادات واخلاق، قوانین سلطنت، جھگڑے فساد، جنگ وجدل کو اخباری حیثیت سے لکھتا ہے، اور ان پر بحث کرتا ہے۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی اور اچھے کو برے سے جدا کرتا ہے۔

اخبار ناظرین کی معلومات کو بڑھاتا ہے، اور ان کے علم کو جلا دیتا ہے۔

اخبار غلط خیالوں کی تردید کرتا ہے، اور سچے خیالوں کی تائید کرتا ہے۔

اخبار انسان کی تعریف اور فضیلت انسانیت بیان کر کے روسا اور امرا کو انسانیت کی جانب بلاتا ہے۔ اور ان کو علوم وصنائع وحرفت کی تعلیم عام کرنے اور مریضوں کو دوا اور علاج کے نئے مدرسے اور نئے شفاخانے قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اخبار فوائدِ عدالت بیان کر کے حاکم کو اس کی جانب توجہ دلاتا ہے اور گویا تمام رعایا کی وکالت کرتا ہے۔ ان کی فریاد اور شکایتوں کو گوشِ حکومت تک پہنچاتا ہے۔

اخبار حکام اور عمال اور معمورین رشوت خور اور ظالموں کے ظلم وجبر کے رفع کرنے میں کوشش کرتا ہے، اور منتظمینِ اعلیٰ کو اس کی اطلاع دے کر اس کا کافی انسداد کرتا ہے۔

اخبار ہر ایک عالم عاقل کی امانت افکار اور ودیعت خیالات کو دوسرے عالم، عاقل کی نگاہوں اور کانوں تک پہنچاتا ہے، اور علماء، عقلا کو ایک دوسرے سے آگاہ کرتا، اور مبادلہ خیال کا موقع دیتا ہے۔

اخبار اپنی قوم کے اجزائے پراگندہ اور اعضائے متفرقہ کو یک جا کر کے حیاتِ تازہ بخشتا ہے، اور از سرِ نو زندہ کرتا ہے۔

اخبار اپنے ناظرین کو بیٹھے بٹھائے تمام عالم کی سیر و سیاحت سے تجربہ کار بناتا اور خوش اور محظوظ ومسرور کرتا ہے۔

اخبار دوست دارانِ اُمت اور محبانِ قوم کو دشمنوں اور عدووں سے جدا کرتا ہے، اور لباسِ کذب اور پردہ فریب کو چاک چاک کر دیتا ہے۔

اخبار شر اور بدبختی کی گھاٹیوں اور مکین گاہوں سے بچانے کی غرض سے خبردے کر خیر اور سعادت، نیک بختی اور بصیرت کی شاہراہوں کا راستہ بتاتا ہے تاکہ قوم بری راہ نہ چلے، اور صراطِ مستقیم سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔

اخبار جس چیز میں ملک کا فائدہ دیکھتا ہے، فوراً اسے محبتانہ الفاظ میں قوم پر ظاہر کر دیتا ہے، اور نکتہ چینی اور اعتراض کی راہ سے ہمیشہ بچتا رہتا ہے۔ اخبار ایسے ضروری امورات اور معارف کا جن کا جاننا ہر فرد بشر پر ضروری ہے، عام فہم عبارت میں، جس سے عوام الناس کا انتباہ ہو، ذکر کرتا ہے۔

اخبار پست ہمتوں کے برانگیختہ کرنے اور مردہ لوگوں کو زندگی بخشنے کے لیے ملک کی دلچسپ ترقیات اور حالات کو اور صالحین کے کارناموں کو نہایت مؤثر الفاظ میں بیان کرتا ہے، اور ان کے عمدہ خصائل کو بیان کر کے قوم کو ان کی تقلید پر آمادہ کرتا ہے کہ تذکرۃ الاسلاف تبصرۃ الاخلاف ہے۔

اخبار ہمیشہ اخلاق جمیلہ اور خصائل پسندیدہ کے اوصاف اور عادات رذیلہ کے نقصانات بیان کر کے قوم کو اچھی باتوں پر مائل اور بری باتوں سے متنفر کرتا ہے۔ اخبار سے ذہن اور عقل میں ترقی ہوتی ہے، اور علمی مذاق بڑھتا ہے۔

الغرض اخبار کے فوائد بے شمار ہیں جن کے بیان سے اتنا کہہ دینا بہتر ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے برے بھلے کی تمیز کرنا چاہے، اور دنیا میں رہ کر دنیا کی عمدہ باتوں کو حاصل کرنا اور بری باتوں کو چھوڑنا چاہے، حقائق ومعارف اور مختلف علمی وعملی معلومات کا شوق رکھتا ہو، اور دنیا میں مہذب اور شائستہ، عاقل وفرزانہ ہوکر رہنا چاہے، اور گھر بیٹھے بلاصرف وخرچ ایک استاد شفیق تلاش کرنا ہو تو وہ اخبار بینی اختیار کرے۔

اخبار آپ کو بتاتا ہے کہ دیکھو! فلاں ملک میں فلاں شخص نے یوں ادنیٰ حالت سے اعلیٰ درجے تک ترقی کی، اور عزت ووقعت یوں حاصل کی، وہ ایک معمولی مفلس شخص تھا مگر تھوڑے دنوں میں دولت مند ہوگیا۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ تعصب اور نفسانیات کو بالائے طاق رکھ کر بے تعصبی اور سلامت روی کا سبق یاد کرلیا تھا، اگر تم بھی ویسے ہی ترقی کے زینے طے کر کے اعلیٰ مینار پر پہنچنا چاہتے ہو تو اسی شخص کے قدم بہ قدم چلو، اپنے مقصد میں کامیاب ہوگے۔

اخبار ایک قومی ہادی ہے

اخبار دراصل ایک زندہ ہادی ہے جو ہر قسم کی باتوں میں ہدایت کرتا ہے، بری باتوں سے تنفر دلاتا ہے، اور عمدہ باتوں کی جانب مائل کرتا ہے، کیوں کہ انسان کی طبیعت میں اک ایسی زبردست قوت گمراہ کنندہ موجود ہے کہ راستے کو چھوڑ کر شقاوت کی تنگ وتاریک اور خوفناک وپیچ دار گھاٹیوں تک آنکھ بند کیے بڑھ جاتا ہے۔ اور اس بدبختی کے مقام پر خوش قسمتی کے راستے تلاش کرتا ہے، اور جب تک کوئی خضر صفت رہبر اس کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود تک نہ پہنچائے، وہ یوں ہی پریشان وسرگرداں رہتا ہے۔

اس لیے قوم اور فرد کو ایک ہادی اور رہبر کی سخت ضرورت ہے اور بے اس کے کوئی بھی صراط مستقیم پر نہیں چل سکتا۔ پس حالت موجود کے اعتبار سے اخبار سے بڑھ کر قوم کا کوئی ہادی اور رہبر نہیں ہے۔ جو اسے سیدھی راہ پر چلانے میں مددگار اور ترقی کا بدل وجان خواستگار ہو۔

اخبار کے متعلق نامور لوگوں کی رائے

ایک بڑے مدبر کی رائے اخبار بینی کے متعلق یہ ہے کہ کتب بینی سے اخبار بینی زیادہ سودمند ہے، اور اس کا نفع اس سے بدرجہا زیادہ ہے، کیوں کہ ایک کتاب کسی خاص بحث اور مضمون پر ہوا کرتی ہے۔ اور برخلاف اس کے اخبار میں چھوٹے چھوٹے مضامین مختلف بحثوں پر ہوا کرتے ہیں، اور بجائے ایک بات کے ان میں متعدد سودمند باتیں ہوتی ہیں۔ جس چیز سے ہماری طبیعت کو مناسبت ہو، ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

علامہ سید جمال الدین افغانی المصری اخبار کے فوائد میں یہ لطیف شعر پڑھتے ہیں۔

لا سعادة لامة ليس لها سائق الى الفضائل و لا زاجر عن الرذائل

(یعنی جس قوم میں اچھی باتوں کی جانب ہدایت کرنے والا اور بری باتوں سے منع کرنے والا اخبار نہ ہو اسے نیک بختی اور سعادت نہیں مل سکتی)۔

یہ شعر اس حکیم وقت کا ہے جس کی علمی لیاقت آج تمام اخباری دنیا میں مسلّم ہے۔ اس شعر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ موجودہ کے اعتبار سے اخبار سعادت کا باعث ہے۔ سعادت سے محروم ہے جو اخبار بینی سے ناواقف ہے۔ نیک بختی سے دور ہے وہ قوم جو اخبار سے مستفیض نہیں ہے۔ یورپ کو دیکھو آج دنیاوی سعادت میں کوئی قوم اس کے لگ بھگ نہیں ہے۔ تمام دنیا میں مسلّم ہو چکا ہے کہ جو شخص یا قوم دنیاوی سعادت کی خواہاں ہو، یورپ کی تقلید کرے۔ یہ کیوں؟ بس اسی لیے کہ اخبار بینی وہاں طبیعت ثانی ہوگئی ہے۔ جوانوں، بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مردوں، معماروں، کتب فروشوں، مزدوروں، عطاروں، ڈاکٹروں، پادریوں، شاعروں، نجومیوں، تاجروں، مصوروں، زمینداروں، کسانوں، انجینئروں، نوکروں وغیرہ وغیرہ ہر ایک فرقہ، ہر ایک عہدہ، ہر ایک فن، ہر ایک علم، ہر ایک قسم کے لوگوں کے لیے علیحدہ علیحدہ اخبار شائع ہوتے ہیں، اور وہ اسے روزانہ دیکھ کر اپنی ضروری حاجتوں کو رفع کرتے ہیں۔

ڈاکٹر بیلمن ٹی ٹی اپنی ایک تصنیف میں تحریر کرتے ہیں کہ میں جس وقت ڈیونٹی کالج میں تحصیل علم میں سرگرم تھا، مجھے مضامین نویسی کا بہت شوق چڑھا تو مجھے اخباروں کے مطالعے سے بہت کچھ فائدہ ہوا، اور بہت باتوں کو میں نے اس سے سیکھا۔ جو علمی اور عقلی مضمون اخباروں میں ہوا کرتا تھا، اسے میں اول غور وفکر کے ساتھ پڑھتا اور رائے زنی کیا کرتا تھا، اور پھر اس کو اور طالب علموں کے سامنے پیش کیا کرتا اور بحث کیا کرتا تھا۔ اس طرح سے ایک علمی مذاق میری طبیعت میں پیدا ہوگیا، اور اس نے ایسا اضطراب پیدا کر دیا کہ میں اس فن اخبار نویسی کو اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور پھر تو ایسے ایسے لاجواب مدلل علمی آرٹیکل اور مضامین لکھنے لگا جس کی قوم نے داد دی۔ یہ اخبار بینی ایسی عمدہ چیز ہے کہ اس سے زیادہ کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں ہے۔

مسٹر گلیڈ اسٹون سابق وزیر اعظم انگلستان اخبار کے متعلق لکھتا ہے کہ پبلک اخبار کی کیوں شا کی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے ہی فائدے کی بات ہے، اس کا وجود تمہارے لیے غنیمت ہے۔ یہ ایک زبردست ہاتھ ہے، جس سے تمام دینی دنیوی باتوں کی تکمیل ہوتی ہے، اور اس کا فیض جاری ہر طرف پھیلتا ہے۔ اس سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں۔ اس سے بڑے بڑے فائدے انسان کو ہوتے ہیں۔ پرنس بسمارک فن اخبار نویسی میں بڑا مشاق تھا، اور اس کے رموز ونکات کا ایسا ماہر تھا جیسے کوئی بڑا مشاق، لائق وفائق اور تجربہ کار ایڈیٹر ہو، مجھے چوں کہ اس کام پر اس نے مامور کیا تھا۔ اس لئے وہ دن میں کئی بار بلا کر اخبار کے متعلق باتیں کیا کرتا تھا، اخبار کا وہ ایسا عاشق تھا کہ رات دن اسی دھن میں رہتا تھا۔ رات کو آدھی آدھی رات (کے وقت) دفعتاً چونک کر مجھے طلب کرتا تھا، اور جو مضمون اس کے ذہن میں اس وقت سماتا تھا لکھ کر حکم کرتا تھا کہ اسے فوراً صبح کو فلاں فلاں اخبار میں شائع کر دیا جائے۔

غرضیکہ اخبار سے اسے بڑی دلچسپی تھی، اور سب سے عمدہ مشغلہ سمجھتا تھا۔

پیٹر اعظم شاہ روس کی لائف میں لکھا ہے کہ وہ نہایت دلچسپی سے اخباروں میں ایٹوریل مضامین لکھا کرتا تھا اور اخبار کو رعایا کے خیالات کا ذریعہ سمجھتا تھا۔ اور اخباروں سے اس کو اتنا شغف تھا کہ بذات خود اس کے پروف کی صحت کیا کرتا تھا، اور وہ تمام پروف اس کی مشہور لائبریری میں موجود ہیں۔ فرانس کے مشہور مدبر نپولین کے حالات میں مورخ لکھتا ہے کہ نپولین کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کوئی بڑا کام کرتا تھا تو پہلے اخباروں میں اس کے متعلق موافق اور تائیدی مضامین شائع کراتا تھا اور اس طور سے عام رایوں کو اپنے موافق کرلیتا تھا۔

ہندوستان میں جتنے نامور جنرل اور گورنر آئے ہیں، جب وہ پنشن لے کر ولایت کو واپس جاتے ہیں تو وہاں بھی اخبار نویسی کے پرلطف مشغلے میں باقی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سر ولیم میور سے ہندوستان کا کوئی تعلیم یافتہ ایسا ہے جو واقف نہیں؟ یہ علاوہ اس کے کہ ہندوستان میں عرصے تک گورنر رہ چکے ہیں بہت بڑے مصنف بھی ہیں ان کی تصانیف میں لائف آف محمد ﷺ ایک ممتاز کتاب ہے۔ جس میں آں حضرت پیغمبر ﷺ برحق روحی فداہ کی لائف لکھ کر اس پر نئی طرز سے نکتہ چینی کی گئی ہے۔ اور جو اس طریق اعتراض سے مختلف ہے جو عام مشنری اور پادری کیا کرتے ہیں۔ جس سے میور صاحب کی ایک ممتاز صفت معلوم ہوتی ہے۔ یہ فاضل شخص بھی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ اور ان کے اکثر مضامین اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ مسٹر سر الفرڈ لائل، سر لیبل گریفن، سر رچرڈ ٹیمپل، سر رچرڈ گارتھ وغیرہ تمام مضامین نگار ہیں۔ سر ولیم ہنٹر سابق ممبر کونسل گورنمنٹ ہند اخبار ٹائمز کے ایڈیٹر ہوئے، اور ان کے پرزور آرٹیکل نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فن اخبار نویسی کیسا لاجواب اور دلچسپ فن ہے کہ ایسے فاضل اسے اختیار کرتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

الفاظ کا جادو

اگر آپ کا تعلق اونچے طبقہ سے ہے تو کسی سرائے میں ٹھہرنا آپ کے لیے باعث توہین، لیکن کسی ہوٹل میں قیام کرنا ذرا بھی باعث شرم نہیں، حالانکہ دونوں میں کیا فرق بجز اس کے ہے کہ سرائے مشرقی ہے، ہندوستانی ہے، دیسی ہے اور ہوٹل مغربی ہے، انگریزی ہے، ولایتی ہے۔ کوئی اگر یہ کہہ دے کہ سرائے کے فلاں بھٹیارے سے آپ کا یارانہ ہے تو آپ اس کا منہ نوچ لینے کو تیار ہو جائیں لیکن فلاں ہوٹل کے منیجر سے آپ کا بڑا ربط وضبط ہے اسے آپ فخریہ تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ سرائے کے بھٹیارے اور ہوٹل کے منیجر کے درمیان بجز ایک کے دیسی اور دوسرے کے ولایتی ہونے کے اور کوئی فرق ہے؟ کسی مدرسہ میں اگر آپ مدرس ہیں تو بات کچھ معمولی ہی ہے، لیکن کسی کالج میں آپ لکچرار یا پروفیسر ہیں تو معزز ہیں، صاحب وجاہت ہیں، حالانکہ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے مدرس اور پروفیسر ایک ہی چیز ہیں۔

ندوہ کے دارالاقامہ میں اگر آپ قیام پذیر ہیں تو آپ کا دل کچھ خوش نہیں ہوتا لیکن اسی دارالاقامہ کا نام جب آپ شبلی ہوسٹل سنتے ہیں تو آپ کا چہرہ فخر و خوشی سے دمکنے لگتا ہے۔ مدرسہ میں اگر آپ پڑھتے یا پڑھاتے ہیں تو خود اپنی نظروں میں آپ بے وقعت ہیں لیکن اگر آپ کا تعلق کسی کالج سے ہے تو پھر آپ سے زیادہ معزز کون ہے؟ اب ہر مدرسہ طبیہ، طبیہ اسکول اور مدرسہ تکمیل الطب اور مدرسہ منبع الطب اب تکمیل الطب کالج اور منبع الطب کالج ہیں۔ مدرسہ وہابیہ طبیہ کا زمانہ گیا۔ اب اس کا صحیح نام طبیہ وہابیہ کالج ہے۔ طبی درس گاہوں کو چھوڑیے، خود دینی درس گاہوں کا کیا حال ہے؟ وہ دن گئے جب زبانوں پر مدرسہ چشمہ رحمت کا تذکرہ تھا۔ اب وہ چشمہ رحمت کالج ہے اور وہاں کے صدر مدرس پرنسپل صاحب ہیں۔ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل کے سب سے بڑے استاد کو صدر مدرس ذرا کہہ کے تو دیکھیے آپ کی غلطی کی تصحیح کی جائے گی کہ ان کا عہدہ اب صدر مدرسی کا نہیں پرنسپلی کا ہے۔

کوئی آپ سے کہے کہ یہ کیا آپ گلی میں کھڑے ہو کر گلی ڈنڈا کا تماشہ دیکھ رہے ہیں تو آپ شرما سے جائیں گے، لیکن آپ کرکٹ یا فٹ بال یا ہاکی کی میچ کھلے میدان میں دیکھ رہے ہوں گے، تو اس وقت نہ آپ اپنے بڑوں سے شرمائیں گے نہ چھوٹوں سے بلکہ عجب نہیں کہ گراں قدر ٹکٹ خریدنے کے بعد دوسروں کی طرف اکڑ کر دیکھیں۔ مینڈھے لڑاتے ہوئے یا بٹیر بازی یا مرغ بازی کرتے ہوئے اگر آپ کہیں پکڑ لیے گئے تو اپنے کو کسی کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھیں گے لیکن جب شہر میں باکسنگ کا مقابلہ ہوگا یا کوئی HEAYY WEIGHT CHAMPION آجائیں گے تو ان کا تماشہ دیکھنا تہذیب و روشن خیالی میں داخل۔ کہیں چوری چھپے رہس یا نوٹنکی دیکھنے کھڑے ہو جایئے تو خود آپ کی ثقافت اور وضع داری آپ پر لاحول پڑھنے لگے لیکن تھیٹر میں آدھی آدھی رات بے تکلف بسر کیجیے کہ ڈراما جیسے فن شریف کی شرافت وعظمت میں کسی کو کلام ہو سکتا ہے؟

اپنے دیس کے کسی بھانڈ، کسی سازندہ، کسی ڈھاڑی سے اگر آپ سے شناسائی ہوگئی ہے تو اس کا ذکر آپ اپنے دوستوں اور بے تکلف ہم عصروں کے سامنے بھی کچھ جھینپ ہی کر کرتے ہیں، لیکن چارلی چپلن اور میری پکفرڈ کے کمالات اور آرٹ کی جتنی داد جی چاہے دیجیے۔ بھری محفلوں میں، بزرگوں اور استادوں کے مجمع میں اور اخبارات کے صفحات میں آپ کی نقادی ہی کی داد ملتی جائیگی؟ نٹوں کا پیشہ بھی بھلا کوئی عزت کا پیشہ ہے اور خدانخواستہ آپ سے کسی نٹ یا نٹنی ملاقات کیوں ہونے لگی، لیکن وہی قلابازیاں کھانے والے جب سرکس والے اور سرکس والیاں بن کر آپ کے سامنے آتے ہیں، تو نہ آپ ان سے ملنے میں شرماتے ہیں، نہ تعلقات بڑھانے میں۔

جوئے یا جواریوں سے ظاہر ہے ہماری شرافت کو کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ کوئی ہمیں جواری کہہ دیکھے۔ اپنی جان اور اس کی جان ایک کر دیں، لیکن گھوڑ دوڑ کے دنوں میں اور کارنیوال کی راتوں میں، دن دہاڑے اور بجلی کی روشنی میں یہی ذلت ہمارے لیے عین عزت بن جاتی ہے اور بڑے بڑے رئیس اور معزز نہ جوئے کی بازی لگاتے ہوئے شرماتے ہیں اور نہ اپنے کو ریس باز کہلاتے۔ نخاس میں کسی کباڑیے کی دکان پر مول تول کرنا ہماری عزت و شرافت کے لیے باعث ننگ، لیکن مال روڈ پر پیک ایلن کی کوٹھی میں گشت لگانے میں نہ کوئی عار ہے نہ کوئی شرم، اس لیے کہ پیک ایلن صاحب کوئی کباڑیے تھوڑا ہی ہیں، آکشنر اور نیلامیے ہیں۔

چوک اور امین آباد میں کسی حلوائی کی دکان سے پوری مٹھائی اپنے ہاتھ سے خریدیے تو نظریں بچا بچا کر، لیکن حضرت گنج میں ویلریو کی دکان کے سامنے اپنا موٹر کھڑا کر کے کیک وپیسٹری کی خریداری بہ نفس نفیس، بلا جھجک فرمایئے، اس لیے کہ ویلریو حلوائی نہیں، کنفکشنر ہے، نظیر آباد کے کسی چوراہے پر کسی شربت والے کی دکان سے فالودہ کا گلاس خریدنا آپ کی خودداری کے منافی، لیکن حضرت گنج میں صاحب کی جگمگاتی دکان پر آئس کریم نوش فرمانا آپ کی عزت اور شان کے عین مطابق۔ کسی نانبائی کی دکان کا نام اگر ریسٹران پڑ جائے تو وہی عار فخر میں تبدیل ہو جائے۔ نائی بیچارہ جب تک محض نائی ہے یا حجام، اس کے استرے اور کسوت کے آگے سر جھکانا آپ کیوں کر گوارا فرما سکتے ہیں، لیکن وہی جب اپنے کو ہیئر ڈریسر Hair Dresser کہلانے لگے اور اپنی چوراہے کی دکان پر ہیئر کٹنگ سیلون کا سائن بورڈ لگا دے تو وہی ناگوار آپ کے لیے خوشگوار و پسندیدہ بن جائے۔

عدالت کا پیادہ جب تک چپراسی یا مذکوری ہے، حقیر و ذلیل ہے لیکن وہی پیادہ اگر بیلف کہہ کر پکارا جائے تو معزز ہے اور آپ کی زبان پر محض بیلف نہیں بلکہ بیلف صاحب آنے لگے۔ کوئی چمار یا موچی اس قابل کب ہوتا ہے کہ آپ اسے منہ لگائیں، لیکن وہی رذیل اگر کسی ٹینری کا مالک کہلانے لگے تو معاً اس کی رذالت آپ کی نگاہ میں عزت وشرافت سے بدل جاتی ہے اور دنیا کے سب سے بڑے موچی باٹا کی قوم سے تعلق رکھنا تو عین دلیل اعزاز، بستی کا ساہوکار یا مہاجن بڑے سے بڑا ہو، آپ کی نظر میں محض بنیا ہے لیکن وہی بنیا اگر وہیں کسی بینک کا منیجر ہو جائے یا اپنے کو بینکر کہلانے لگے تو دیکھئے تو اس کا مرتبہ دم بھر میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ کسی رئیس کا مصاحب آپ میں نظر میں، اخلاقی حیثیت سے بے عملی، خوشامد، چاپلوسی اور خود فروشی کا مجسمہ ہے لیکن صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری اور اے ڈی سی کا نام ادھر آیا اور ادھر معاً آپ کی نظروں میں کارکردگی و مستعدی، رعب و دبدبہ کی تصویر پھر گئی۔

پنچایت کا نام آیا اور آپ کے ذہن نے نیچ قوموں کا تصور شروع کر دیا، لیکن ادھر پنچایت کے بجائے پارلیمنٹ اور اسمبلی، کونسل اور کارپوریشن کے الفاظ بولے گئے اور آپ کا ذہن ان فرنگی پنچایتوں کی بلندیوں پر رشک کرنے لگا۔ کوئی مولوی غریب اگر عالمگیری اور شامی کے جزئیات فقہی کا حافظ ہے تو غبی ہے، کودن ہے، کندہ ناتراش ہے، محض ملّا ٹا ہے، لیکن اگر کسی ایڈوکیٹ یا بیرسٹر صاحب کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے نظائر ازبر ہیں تو ان کی قابلیت، خوش دماغی اور ذہانت کے اعتراف میں سب سے آگے آپ ہی ہیں۔

فسانہ عجائب اور طلسم ہوشربا کے نام آج مجال ہے کہ کوئی زبان پر لا سکے لیکن لندن اور برلن، پیرس اور نیویارک سے کتنے ہی نئے نئے عجائب افسانے اور کتنے ہی ہوشربا طلسمات رومانی ناولوں کے نام سے، جاسوسی افسانوں کے نام سے سنسنی خیز خبروں کے نام سے، صاعقہ اثر ڈراموں کے نام سے اور خدا معلوم کن کن ناموں سے ہر سال اور ہر ہفتہ اور ہر روز اور ہر صبح اور ہر شام شائع ہوا کریں، ان سے باخبر رہنا اور پوری دلچسپی وانہماک کے ساتھ ان کے نشر واشاعت میں، ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہنا علم وروشن خیالی کی دلیل اور مہذب وتعلیم یافتہ ہونے کی سند!

کوئی آپ کو صلاح دے کہ لوہاری کا پیشہ اختیار کیجیے، تو آپ اسے گالی سے کچھ ہی کم سمجھیں لیکن میکینکل انجینیر ی کے عہدہ کی طرف آپ خود لپک کر بڑھ رہے ہیں۔ جراح کے لفظ سے جو تخیل آپ کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ کس درجہ پست ہے لیکن سرجن کا نام لینے سے اس پستی میں کتنی بلندی آجاتی ہے۔ محلّہ اور پڑوس کے جلاہے آپ کے خیال میں پست وادنیٰ، لیکن کپڑا بننے والے اگر لنکا شائر کے ہیں، تو کیا ان کی بابت بھی آپ کا یہی خیال ہے؟ بزاز گز ہاتھ میں لیے اور مزدور کے سر پر گٹھری اٹھائے، شہر میں پھیری کرتے پھرتے ہیں، ان کی کوئی عزت ووقعت نگاہ میں نہیں، لیکن وہی کپڑا بیچنے والے اگر مانچسٹر کے باشندے ہیں تو بس معزز ہیں، بلند ہیں۔ بزرگوں کے سالانہ فاتحہ منانا دلیل حمق و علامت وہم پرستی، لیکن فلاں کالج کے احاطے میں فاؤنڈرس ڈے یا یوم تاسیس دھوم دھام سے منانا، دلیل دانش وبرہان روشن خیالی۔

لکھنؤ کے چوک یا دہلی کی چاؤڑی کی پیشہ ور کا نام آپ بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ ہرگز اپنے کسی بزرگ کے سامنے نہ لیں گے، نہ کسی کا ناچ مجرا دیکھنے کھلم کھلا تشریف لے جائیں گے لیکن ڈرائنگ روم میں گھر کے سب مردوں اور عورتوں لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے ریڈیو سے بے تکلف آپ فلاں بائی جی اور فلاں جان کے نغموں، ٹھمریوں سے لطف اٹھائیں گے اور فلم ایکٹرس جو بھی آپ کے دل میں جگہ کر لیگی، پوری بے باکی سے آپ اس کے چرچے ہر چھوٹے بڑے کے سامنے کریں گے۔

کوئی کہاں تک گنائے اور ناموں اور لفظوں کی کتنی لمبی فہرست تیار کرے۔ نمونہ کے لیے یہ کافی بلکہ کافی سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اپنی واقفیت کی دنیا میں خود نظر دوڑایئے اور دیکھ لیجئے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں، معاشرت ومعاملت کے ہر گوشہ میں فرنگیت کا کتنا رعب ہم پر، اور آپ پر چھایا ہے۔ حقیقت ایک، معنی ومفہوم متحد، لیکن جو لفظ اور جو نام، فرنگیت کے راستہ سے صاحب کے رشتہ سے، آپ کے کانوں تک پہنچے ہیں ان میں ان کے دیسی مترادفات سے کتنی زیادہ عظمت، کتنی زیادہ اہمیت، کتنی زیادہ بلندی ہمارے دلوں اور دماغوں نے غیر محسوس طور پر قبول کر لی ہے !اگلوں نے بہت کیا تو یہی کیا تھا کہ ملک فتح کر لیے، قلعے سر کر ڈالے، فوجوں کو میدان جنگ میں شکست دے دی۔ اس سے زیادہ نہ چنگیز سے کچھ بن پڑا نہ ہلاکو سے، نہ دارا سے نہ سکندر سے، یہ شرف مخصوص اسی دور یا جوجی کے لیے اٹھ رہا تھا کہ جسم کے ساتھ ساتھ دل ودماغ بھی فتح کر لیے جاتے ہیں اور ہاتھوں پیروں کے علاوہ عقلوں، دماغوں اور بصیرتوں سے بھی خط غلامی لکھا لیا جاتا ہے۔

یہاں تک کہ غریب محکوموں کے پاس خیر وشر، حسن وقبح، ہنر وعیب کا معیار لے دے کے بس یہی ایک رہ جاتا ہے کہ صاحب کی چشم التفات کدھر ہے؟ عزت بھی صاحب کی دی ہوئی اور دولت بھی سرکار کی مرحمت کی ہوئی۔ دین بھی وہیں کا عطیہ، اور دنیا بھی وہیں کی بخشش، اب نہ ہندو ہندو ہے، نہ مسلمان مسلمان۔ سب رعایائے سرکار۔ اب نہ کوئی اللہ دین ہے نہ رام دین بلکہ سب کے سب چھٹ چھٹا کر صاحب دین۔

الفاظ عمومی کو چھوڑیے۔ ستم یہ ہے کہ اعلام اور اسماء معرفہ تک یورپ زدگی کی وبا سے محفوظ نہیں۔ میاں کلو کو آپ نے اپنے ہاں جب دیکھا، اکہّ بانی ہی کرتے پایا لیکن میجر بلیک BLACK)) آپ کے شہر کے ممتاز سول سرجن ہیں۔ کلو امہتر آپ کے محلّہ ہی میں رہتا ہے لیکن پروفیسر بلیکی BLACKEE)) یونیورسٹی کے ایک ممتاز پروفیسر ہیں !لالہ گھاسی رام بیچارے کانجی ہاؤس کی محرری سے عمر بھر آگے نہ بڑھ سکے، لیکن بریگیڈیر جنرل ہے HAY)) برطانوی فوج کے ایک مشہور و معروف افسر ہیں۔ میاں رمضانی اور میاں شبراتی کی ساری عمر خدمت گاری میں گزری لیکن مسٹر مے MAY)) اور ڈاکٹر فرائڈے FRIDAY)) پارلیمنٹ کے نامور ممبر ہیں۔

مٹھو کہار اور طوطا کلوار آپ کی بستی ہی میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں لیکن سرجان پارٹرج PARTRIDGE)) آپ کے صوبہ کے گورنر تھے۔ مسٹر کاک COCK)) اس وقت آپ کے ضلع کے کلکٹر ہیں اور سوان SWAN)) صاحب ابھی تبدیل ہو کر کمشنری پر گئے ہیں۔ آپ کے ماما کا لڑکا شیرا بیچارہ اب تک چپراسی کی جگہ امیدواری کر رہا ہے لیکن بل صاحب BULL)) ترقی پا کر کمشنر ہو گئے اور مسٹر لیمب LAMB)) اور مسٹر کڈ KID)) آپ کے ضلع میں حاکم بندوبست اور جائنٹ مجسٹریٹ ہیں۔ دریاؤ سنگھ غریب کو لائن جمعداری سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا۔ سرجان لیک LACK)) دیکھتے دیکھتے ای آئی آر کے ایجنٹ ہو گئے !الالہ لوہاری مل کے چلائے عرائض نویسی کا کام بھی نہ چلا، جسٹس اسمتھ SMITH)) ہائی کورٹ کی ججی پر پہنچ گئے۔ شیخ جھاؤ کی زندگی نور بافی کرتے کرتے ختم ہو گئی۔ سرجان فارسٹر FORESTER)) حکومت ہند کے ہوم ممبر ہیں۔ جنگلی گھسیارہ بیچارہ عمر بھر گھاس ہی چھیلا کیا، سرجان وڈ WOOD)) سنا ہے کہ امریکہ میں برطانیہ کے کونسل جنرل ہو گئے۔

مولانا عمران خان ندوی مثالی مردِ مؤمن

مولانا میں جتنی انسانی صفات مجتمع تھیں بہت کم کسی ایک شخصیت میں جمع ہوتی ہیں: اخلاص مع اللہ، جہد فی سبیل اللہ کے کسی بھی کام کو اس کی شدت وعظمت سے مرعوب ہوئے بغیر کرنا، اور جب تک انجام تک نہ پہنچ جائے مسلسل کرتے رہنا ان کی شخصیت کی امتیازی خوبیاں تھیں، جس کے ثبوت ان کی زندگی کے وہ مختلف کارنامے ہیں جو اللہ کی مدد سے انہوں نے انجام دیئے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر دور میں اپنے ہمعصروں وہم جلیسوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہموطنوں تک کے لئے **مثالی** بنے رہے۔ ان کی حق گوئی وبیباکی اور قوم و وطن کی فلاح وبہبود کی خاطر بڑے سے بڑے خطرہ کی پرواہ کئے بغیر حق ومفید بات کہنے کی سرفروشانہ ادا کا گرویدہ بھوپال کا ایک ایک فرد ہے۔ وہ ایک **مردِ مؤمن** کی طرح اس دنیا میں جئے اور ایک **نفس مطمئنہ** کی طرح رب کی طرف لوٹ گئے۔

(اداریہ ماہنامہ دین مبین نومبر ۱۹۸۶ء، صفحہ ۳)

خواب بیداری کی تعبیر

مولانا عبدالماجد دریابادی

ہر ہائی ہائنیس نواب شاہجہاں بیگم (نوّر اللہ مرقدھا) کا چمنِ آرزو (تاج المساجد) برگ وثمر سے کب تک محروم رہتا؟ ۷۰-۷۲ سال بعد ہی سہی بہر حال مخلصین کی التجائیں اور دردمندوں کی دعائیں کبھی ضائع تھوڑی جاتی ہیں۔

تو چنیں خواہی، خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مرادِ متقیں!

آخر اسی سرزمین (بھوپال) نے **دین کا ایک دیوانہ، سو فرزانوں کا ایک فرزانہ محمد عمران خاں ندوی** پیدا کر دیا، وہ دوڑا دھوپا، مشقتیں سہیں، ریاضتیں جھیلیں اور لکھوکھا کی رقم کا بیڑا اٹھالیا، ہاتف غیب نے پکار کر دی کہ اللہ اپنے دین کے مخلصوں، فدائیوں اور شیدائیوں کی زبان سے نکلے ہوئے قول کو ضائع اور رسوا نہیں کرتا!

مولانا پروفیسر محمد حسان خاں

مولانا محمد عمران خاں ندوی ازہریؒ کا اندازِ تربیت

والد مرحوم مولانا محمد عمران خاں ندوی ازہریؒ عالم باعمل تھے، وہ اپنے ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ کا نمونہ اختیار کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں آپ **خیرکم خیرکم لأهله** کا اعلیٰ نمونہ تھے، باہر کے لوگ اور خاص طور پر جو بے تکلف نہ تھے وہ ان سے بہت مرعوب ہوتے اور ڈرتے رہتے تھے، لیکن جو ان کے قریب آجاتے ان کے نزدیک وہ **رحمت ومودت کا اعلیٰ نمونہ** تھے۔ یہ خوبی بھی دراصل سیرت نبویؐ کی پیروی کے طفیل میں ان کو ملی تھی، سیرت نبوی کے بیان میں صحابہ کرامؓ نے حضور انور ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ پہلے وہلہ میں جو آپ کو دیکھتا ڈرتا اور مرعوب ہو جاتا تھا، اور جو آپ سے قربت کی نعمت پاتا اس کے نزدیک آپ محبوب ترین ہوجاتے۔

والد صاحب کا گھر میں یہ معاملہ تھا کہ ان کی موجودگی سے بہت زیادہ بے تکلفانہ اور مزاح سے بھرپور ماحول رہتا تھا، ہم لوگ خود کو آزاد محسوس کرتے اور ذرا خوفزدہ نہ ہوتے۔ لیکن اگر غلطی کر بیٹھتے تو پھر خوفزدہ بھی اتنے ہوتے کہ جیسے جان کے لالے پڑ جاتے، غصہ اور مزاج میں شدت شاید ہماری خاندانی روایت کی پہچان ہے، لیکن والد صاحب کا معاملہ یہ تھا کہ جس سے غلطی ہوتی وہی زد میں آتا اور پریشانیاں جھیلتا تھا، گھر کے باقی لوگ اس شامت زدہ کی حالت کے مزے لیتے اور اس سے چھیڑ خانی کرتے۔

عموماً مولانا کے لہجہ میں ظرافت ہی کا رنگ شامل رہتا، لیکن اچانک ہی وہ اس ظرافت کی تہہ میں سنجیدگی کا احساس بھی دلا دیتے۔ ایک بار مساجد کمیٹی بھوپال کے سکریٹری مرزا مسعود بیگ مولانا سے ملاقات کے لئے آئے اور درخواست کی کہ حسان میاں کو مساجد کمیٹی میں شامل ہونے کی آپ اجازت دیدیں، مولانا نے فرمایا: ابھی چھوٹے ہیں! پھر مجھ سے نہایت ظریفانہ انداز میں فرمایا: آپ خیال نہ فرمائیگا کہ میں آپ کی ترقیات میں حارج ہو رہا ہوں۔ پھر سنجیدہ لہجہ میں فرمایا: ابتدائی کیریر میں کبھی متنازعہ باتوں میں شامل نہیں ہونا چاہیئے کہ اس امام کا تبادلہ کر دیا یا اس مؤذن کو ہٹا دیا، اس سے شخصیت کو نقصان پہنچتا ہے۔

مولانا مخالفین ومعاندین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے سخت گیر اور بداخلاق مشہور ہو گئے تھے، اللہ نے ان کو معاملہ فہمی کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اور ان کی رائے عموماً صحیح اور عملی ہوتی تھی، اس لئے اس پر اصرار کر کے نافذ کرتے اور کراتے تھے حالانکہ ان کا مزاج بڑا جمہوری اور لوگوں کی رائے کو سننے اور ماننے کا تھا۔

حیدرآباد کے حضور نظام کی پیشی میں ذمہ دار محمد شریف صاحب حیدرآبادی نے ایک بار مولانا سے شکوہ کرتے ہوئے کہا: حسان میاں تبلیغ میں عملی طور پر زیادہ حصہ نہیں لیتے، آپ ان سے فرمائیں کہ وہ زیادہ حصہ لیا کریں، مولانا نے فرمایا: میں کیوں کہوں؟ کیا ان کو اندازہ نہیں کہ ان کا باپ اس کام کو کتنا اچھا سمجھتا ہے اور جان کھپاتا ہے؟!

دوسروں کی رایوں کے احترام کے سلسلہ میں ایک بات اب تک یاد ہے، ہوا یہ کہ دارالعلوم کے ایک اہم مسئلہ میں عبد الرووٴف خاں صاحب (مالک احد برادرس) نے مولانا کی شدید مخالفت کی اور شوری کے رجسٹر میں مخالفانہ نوٹ لکھوایا، مولانا پر اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ اس کے بعد ان کی بات نہایت اہتمام سے سننے لگے، ہر بات میں ان کو بلا کر یا ان کے گھر جا کر مشورہ کرتے۔ مولانا کو یہ خیال ہوا ہو گا کہ عبد الرووٴف صاحب کا گھرانہ مولانا کا نہایت احترام کرتا تھا۔ جب ان کے بڑے بھائی عبدالاحد خاں صاحب تخلص بھوپالی نے مولانا پر اپنے خاص ظریفانہ انداز میں کچھ لکھنے کا اعلان کیا تو ان کے گھر میں گویا بھونچال آ گیا، ایک طرف ان کی والدہ مؤاخذہ کر رہی ہیں کہ اب تمہاری اتنی ہمت ہوگئی خبردار جو مولانا کی شان میں کوئی گستاخی کی، دوسری طرف بڑے بھائی عبدالصمد صاحب جیلر تنبیہ کر رہے ہیں کہ مولانا کے خلاف کوئی نازیبا بات قلم سے نہ نکلے، اور گھر میں ہر ایک منتظر ہے کہ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے؟! ایسے گھرانہ کے افراد کے دل میں کتنا احترام ہوگا، اس سب کے باوجود اگر شدید مخالفت کی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صاحب رائے شخص تھے جن کی قدر والد صاحب کرتے تھے۔ ان کا یہ اصول تو ہمیشہ سے مشہور تھا: **میں سمجھتا ہوں کہ راستہ کی روشنی اختلاف رائے رکھنے والوں سے زیادہ ملتی ہے، بہ نسبت ہاں میں ہاں ملانے والے Most Obedient Servant کے!**

مولانا کے آخری دور میں جب تاج المساجد کی تکمیل میں کلی طور پر غرق تھے یہ خاکسار مستقل طور پر ان کے ساتھ رہا، سفر میں بھی خدمت کے لئے ہمیشہ ساتھ جاتا تھا، مولانا کے ساتھ سفر کرنے والوں کو خوب معلوم ہے کہ مولانا اپنے رفیق سفر کا بہت خیال فرماتے تھے اور کم سے کم خدمت لیتے تھے، میرا بھی بہت خیال فرماتے تھے، لیکن میری طرف سے برابر خدمت میں لاپرواہیاں کوتاہیاں ہوتی تھیں تو ایک بار فرمایا: بھئی تم تو خادم کے بجائے مخدوم لگتے ہو!

مولانا مرحوم کی تربیت کا انداز یہ تھا کہ سامنے کبھی تعریف نہ کرتے تھے بلکہ موقع بموقع تنبیہ واصلاح فرماتے رہتے، میرا نام انہوں نے **بوڑم** رکھا تھا، اکثر غلطیوں پر اسی لفظ کا استعمال کرتے تھے کہ تم بوڑم ہو، کچھ نہیں سمجھتے! لیکن یہ میری موجودگی میں تھا، غیر موجودگی میں دوسروں کے سامنے بہت تعریف کرتے، والدہ محترمہ نے ان کے انتقال کے بعد بتایا: وہ میرے بارے میں ان سے کہتے تھے کہ ان سے صرف حسان کہنا اچھا نہیں لگتا، اس لئے ہمیشہ **حسان میاں** کہتا ہوں! جبکہ حبیب سے حبیب کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بھائی صاحب بڑے تھے اور کسی نہ کسی حد تک بے تکلفی ان سے رہی ہوگی، میرے لئے یہ محبت شاید اس وجہ سے بھی تھی کہ میں نے لیبیا میں اچھی نوکری کو ٹھکرا دیا تھا، اس کی وجہ صرف والد صاحب کی خدمت میں حاضری کی نیت تھی، میری تمنا تھی کہ میں ان کی زندگی کے آخری دور میں ان کے ساتھ رہوں اور ہر ممکن خدمت کر سکوں، والدہ مرحومہ سے جب یہ سنا تو لگا کہ ان کی یہ بات میرے لئے سرمایہ حیات ہے، اور والدین کی یہی رضامندی شاید آخرت میں میرے کام آجائے!

مولانا کی تربیت کا انداز یہ بھی تھا کہ ان کو کام کرتے ہوئے دیکھو اور سیکھو، زبان سے کہنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی تھی، اس بات کو پروفیسر مشیر الحق ندوی نے بھی لکھا ہے، میں نے بھی یہی بات آئندہ عملی زندگی میں بہت شدت سے محسوس کی، اور جب میں نے اپنے بعض جرأت مندانہ اقدامات پر غور کیا تو پتہ چلا کہ میں والد صاحب کو اسی طرح کے بڑے بڑے کام کرتے دیکھتا اور متأثر ہوتا تھا، پھر جب امارت دارالعلوم کا موقع آیا تو لاشعور میں ان کا کام اور طریقہ کار پوری طرح محفوظ تھا، اسی لئے انہی کی نقل میں سب کچھ کر گذرا جس کا فائدہ ہمیشہ دارالعلوم کو ملتا رہے گا۔

ایک بار میں نے پوچھا کہ آپ بڑے بڑے لوگوں سے ملتے ہیں اور کیسے بہت صاف صاف باتیں کرتے ہیں جن میں سخت تنقید بھی ہوتی ہے، کیا آپ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے؟ فرمایا: **صلوٰۃ الحاجۃ** پڑھ کر اور دعاء کے بعد جاتا ہوں، چونکہ ان صاحبان اقتدار واختیار سے کوئی ذاتی غرض حاصل کرنا نہیں ہوتی اس لئے زور دار انداز سے بات کر پاتا ہوں۔ اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا: جب تک کسی شخص کو مقام واہمیت حاصل نہ ہو جائے ایسی جرأتمندانہ باتیں کرنا اور سوسائٹی کی بری عادتوں پر تنقید کرنا مناسب نہیں، ورنہ لوگ منبر سے گھسیٹ کر پھینک دیں گے۔

برکت اللہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی دعاؤں سے ۱۹۸۰ء میں نوکری حاصل ہوئی، والد صاحب برابر فکر فرماتے اور جانے میں تھوڑی سی بھی تاخیر ہوتی تو ناراض ہوتے اور فرماتے تھے: برکت اللہ یونیورسٹی نے تمہارا وقت ساڑھے دس سے ساڑھے چار تک خرید لیا ہے، فرض نمازوں اور سنت مؤکدہ کی پابندی کرو، **ڈیوٹی کے اوقات میں لمبی لمبی نفلیں یا قرآن شریف پڑھنا منع ہے، اگر ایسا کروگے تو بجائے ثواب کے گناہگار ہوگے،** اس لئے شروع سے عادت ہوگئی کہ وقت پر جاتا اور آخری حد تک تاخیر سے بچتا تھا۔ ایسی کتنی باتیں ہیں جن کو سننے، سمجھنے کے بے شمار مواقع میسر آئے لیکن ترتیب سے ان کو پیش کرنا میرے لئے آسان نہیں ہے، موقع ومحل کی مناسبت سے یہ یادیں زبان پر آگئیں۔

علامہ اقبال

دنیا کو پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

قطعہ

آج دولت ہی سے توقیر بشر ہوتی ہے
یہ جدھر ہوتی ہے دنیا بھی ادھر ہوتی ہے
خیر نادار سے ہوتی ہے تو شر ہوتی ہے
مالداروں کی شرارت بھی ہنر ہوتی ہے

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

یہ فرق کیوں؟

اگر آپ انجینئر ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ قانونی مشورہ بھی آپ بہتر دے سکتے ہیں؟ اگر آپ شاعر ہیں تو کیا یہ لازمی ہے کہ طبی مسائل میں بھی آپ کی رائے صائب ہو؟ اگر آپ بیرسٹر ہیں تو کیا یہ فرض ہے کہ فن باغبانی میں بھی آپ کے کمالات تسلیم کر لئے جائیں؟ اگر آپ ڈاکٹر ہیں تو یہ کہاں سے ہے کہ تجارتی معاملات میں بھی آپ بہترین مشیر سمجھے جائیں؟

غرض جب تک کسی فن کا باقاعدہ مطالعہ اس کے آداب وشرائط کے ساتھ آپ نے کسی استاذ کی شاگردی ونگرانی میں ایک مدت تک نہ کیا ہو، آپ کیونکر اس فن کے جزئیات میں رائے زنی کر سکتے ہیں؟ خواہ آپ دوسرے فنون میں کیسی ہی قابلیت اور مہارت رکھتے ہوں، یہ کوئی دقیق مسئلہ اور غامض فلسفہ نہیں ایک عام اور سادہ قاعدہ ہے جسے آپ روزمرہ زندگی کے ہر شعبہ میں برتتے ہیں، اور جب بھی کوئی اس کے خلاف راہ اختیار کرتا ہے تو آپ خود ہی اس پر ہنستے ہیں، کبھی تبسم کرتے ہیں، کبھی قہقہے لگاتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ مذہب کے دائرے میں آپ خود ہی اس قاعدہ کو توڑ دیتے ہیں؟ خود ہی اس کلیہ کے مخالف اور مخالف بھی کیسے اچھے خاصے دشمن بن جاتے ہیں، اگر آپ نے کسی کالج سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا ہے یا بی ایس سی کی ڈگری حاصل کر لی ہے یا لندن سے بیرسٹر ہو کر آ گئے ہیں تو اسی روز، اسی وقت اسی گھڑی آپ فقیہ بھی بن جاتے ہیں اور محدث بھی اور مفسر بھی۔ جس آیت کے آپ جو معنی چاہیں لے لیں، جس حدیث کو اپنی مرضی کے خلاف سمجھیں اس سے انکار کر بیٹھیں جس مسئلہ شرعی کو جس صورت سے آپ کا دل چاہے پیش کر دیں۔ اور اگر کوئی شامت کا مارا آپ کی اہلیت سے متعلق سوال کر بیٹھے تو بس وہ تنگ خیال ہے، کٹھ ملا ہے، متعصب ہے، آزادی ضمیر کا دشمن ہے، لکیر کا فقیر ہے اور خدا معلوم کیا کیا ہے!

گویا آپ کی عقلیت اور آپ کی روشن خیالی نے یہ طے کر دیا ہے کہ گو طب کے مسائل میں صرف وہی شخص زبان کھول سکتا ہے جس نے سالہا سال تک اس فن کی کتابوں کا درس لیا ہو اور کسی مستند طبیب کی شاگردی میں رہ کر مطب کیا ہو۔ اور قانونی مشورہ صرف وہی دے سکتا ہے جس نے برسوں کسی لا کالج کسی سند یافتہ بیرسٹر یا وکیل کی زبان سے لیکچر سنے ہوں، قانونی نصاب درس کی ضخیم جلدیں ختم کی ہوں اور امتحانات پاس کئے ہوں۔

لیکن مذہب ایک ایسا موضوع ہے جس کے لئے نہ کسی کورس کی ضرورت ہے نہ کسی استاذ کی اور نہ خود ہی اس کے مطالعہ میں وقت صرف کرنے کی، بلکہ ہر لکھا پڑھا ہر وقت آزاد ہے کہ اس کے جس جزء کو جس صورت میں جی چاہے مان لے اور جس جزء سے جس وقت جی چاہے بے دھڑک انکار کر دے۔

ایک بیرسٹر کے سامنے اگر ریاضی یا کیمسٹری کا کوئی مسئلہ حل کرنے کے لئے پیش کیا جائے تو وہ بغیر جھجکے ہوئے اور بغیر اپنی سبکی محسوس کئے صاف کہہ دے گا کہ میں اس فن سے واقف نہیں لیکن وہی بیرسٹر صاحب مذہب کے ہر دقیق سے دقیق مسئلہ پر، توحید پر، رسالت پر، حشر ونشر پر، وحدت وجود پر، جنت دوزخ پر، وجودِ جن وملائکہ پر، تعدد ازدواج پر، غلامی پر، جہاد پر، اجتہاد وتقلید پر بے دھڑک اور بے جھجک تقریر فرمانا شروع کر دیں گے اور اپنی ذات والا صفات کو بلاشائبہ وانکسار مذہب کا بہترین شارح اور شریعت کا بہترین ترجمان تصور فرمانے لگیں گے۔

گویا وہ علم جو تمام دوسرے علوم سے لطیف تر اور وہ موضوع جو ہر دوسرے موضوع سے اہم تر اور وہ بحث جو دوسری ہر بحث سے نازک ہے وہی اس قدر حقیر اور اس قدر ناقابل اعتناء ہے کہ اس کے لئے نہ کسی محنت کی ضرورت ہے نہ کسی وقت کے صرف کرنے کی اور نہ کسی استاذ کی شاگردی کی، اس کے سیکھنے اور جاننے بلکہ سکھلانے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے لئے اس قدر کافی ہے کہ کسی انگریزی امتحان کی سند حاصل ہوگئی ہو، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں صرف کسی انگریزی درسگاہ کی چہار دیواری کے اندر زندگی کے چند روز گزر جانے کافی ہیں، اور اگر اس سعادت سے بھی تقدیر نے محروم رکھا تو پھر کسی انگریزی داں کی چند روز صحبت کا شرف کافی ہے۔

خطاب بجوانانِ اسلام علامہ اقبالؒ

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا
تمدن آفریں خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں 'الفقر فخری' کا رہا شان امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی! روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی

فروغِ اسلام میں خواتین کا کردار

خواتین نوعِ انسانی کا نصف حصہ ہیں ؛وہ انسانی معاشرے کا ایک لازمی اور قابل احترام کردار ہیں۔اسلام نے خواتین کے لیے اجروثواب اور خدمات وطاعت کے وہ مواقع رکھے ہیں ؛جو مردوں کے لیے ہیں ۔قرآن کریم کا اعلان ہے :مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٞ فَلَنُحۡيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةٗ طَيِّبَةٗ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَجۡرَهُم بِأَحۡسَنِ مَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ۔(النحل :۹۷)یعنی جس نے نیک عمل کیا؛ چاہے وہ مرد ہو یا عورت،اس حال میں کہ وہ مومن ہو،تو ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوتی وتبلیغی جدوجہد کا مرکز جس طرح مردوں کو بنایا، اسی طرح عورتوں کو بھی بنایا ۔آپ کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں جس طرح خدا پرستی کا مثالی جذبہ مردوں میں پیدا ہوا اسی طرح خواتین میں بھی انقلابی روح پیدا ہوئی۔ رسول اللہ سے تربیت جس طرح صحابہؓ نے پائی اس طرح صحابیاتؓ بھی رسول اللہ کے فیض صحبت اور ان کی مثالی تربیت کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہوکر دیگر خواتین کے لیے نجوم ہدایت بن گئیں ؛اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ان برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کردیا جائے؛ تو ان کی فطری لچک ان سے اور زیادہ متاثر ہوسکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بے نیاز ہوکر خالص اسلامی اخلاق، اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی ۔آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے، یورپی تمدن اور مغربی طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بے زاری کا اظہار کررہے ہیں۔ایسے حالات میں اسلام کی قدیم تاریخ مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے۔فروغ اسلام میں خواتین کا ہمیشہ معیاری اور شاندار کردار رہا ہے ۔تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کردار کو ذیل کی سطور میں نمایاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

قبول اسلام میں سبقت۔کفار میں ہمیں بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنھوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی اللہ تعالی کے آگے سر نہیں جھکایا؛لیکن صحابۂ کرامؓ میں سیکڑوں ایسے بزرگ ہیں ؛جو توحید کی آواز سنتے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے ۔صحابہ کے ساتھ صحابیات اس فضیلت میں برابر کی شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں؛ بلکہ بعض جہات سے ان پر ترجیح بھی رکھتی ہیں؛ چنانچہ یہ شرف تمام لوگوں میں ام المومنیں سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کو حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے اور بغیر کسی کد وکاوش اور بغیر کسی جبر واکراہ کے اسلام قبوک کرنے اور نبی کریم کے بعد امت میں سب سے پہلے خداوند قدوس کے سامنے سر جھکانے والی بن گئیں ۔تاریخ ابن خمیس میں سیدنا رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخر کی نماز پڑھی ،اور علیؓ نے دوسرے دن منگل کی نماز پڑھی۔اس کے بعد ابوبکرؓ صدیق اور زید بن حارثہ شریک نماز ہوئے ،اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام (پہلے اسلام لانا) ہے۔اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں یہ سب سے بڑی فضیلت ہے؛لیکن اس میں بھی تین صحابیات شریک ہیں ۔حضرت خدیجہؓ،حضرت سمیہؓ حضرت ام ایمنؓ۔

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑا شرف تقدم فی الہجرہ (پہلے ہجرت کرنا) ہے۔اس میں صحابۂ کرامؓ کے ساتھ ہجرت کرنے والی تمام مہاجرات خواتین صحابیات ،مہاجر صحابہؓ کی شریک ہیں ؛اسلام میں سب سے پہلی ہجرت ہجرت حبشہ ہے اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو وہ شرف حاصل ہوا کہ جس پر تمام صحابہ رشک کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی۔

اعلان اسلام

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لیے ہمت شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی ۔کفار کے روک ٹھوک اور ظلم وستم کے باوجود صحابہ کے ساتھ صحابیات نے بھی پوری جرأت کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا؛ چنانچہ ابتدا میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا؛ ان میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ ،حضرت بلال ،حضرت خباب،حضرت صہیب ،حضرت عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتویں ایک غریب صحابیہ حضرت سمیہؓ بھی شامل ہیں۔

تحمل شدائد

صحابۂ کرامؓ کے ساتھ صحابیاتؓ نے بھی اسلام کی راہ میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا ،مختلف سختیوں اور آزمائشوں کا انھیں شکار بننا پڑا؛لیکن ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔صحابیاتؓ کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام بھی قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہ نے شرف شہادت بھی حاصل کی ۔حضرت سمیہؓ کو ملعون ابو جہل نے ران میں برچھی مار کر شہید کردیا۔

سیدنا عمر بن خطابؓ کی بہن نے جب اسلام قبول کیا اور عمر کو ان کا حال معلوم ہوا تو ان کو اس قدر مارا کہ لہو لہان ہوگئیں؛ لیکن انھوں نے صاف کہہ دیا جو کچھ کرنا ہے کرلو میں تو اسلام لاچکی (اسد الغابۃ تذکرۃ عمر)

حضرت لبینہؓ اور زنیرہ ،اور نہدیہ (جو باندی تھیں) کو بھی کفار سخت تکلیفیں دیتے اور سختیاں کرتے ؛لیکن وہ سب اسلام پر جمی رہیں ۔سیدہ فکیہہ ایک صحابیہ تھیں۔ سیدنا عمر اپنے اسلام سے قبل اس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ میں رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا؛ بلکہ اس لیے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں ۔وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں ۔عمر !اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو اللہ تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا۔ (مسلمان عورتوں کی بہادری)

ایمان لانے کے بعد سارے رشتے ناطے منقطع ہوجاتے ہیں ؛شوہر بیوی سے جدا ہوجاتی ہے۔یہ بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔عورت کی زندگی کا دارومدار عام طور پر شوہر اور رشتہ داروں کی اعانت پر ہوتا ہے؛ لیکن صحابیات نے اس تکلیف کو بھی اسلام کی سربلندی اور رب کی رضا کے لیے برداشت کرلیا۔

توحید پر استقامت

کفار نے صحابیات کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں ؛لیکن ان کی زبان سے توحید کے علاوہ کچھ نہیں نکلا ۔سیدہ ام شریکؓ ایمان لائیں؛ تو ان کے اعزہ واقرباء نے ان کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کردیا۔اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں تین دن گذر گئے؛ تو ظالموں نے کہا کہ جس دین پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو ۔وہ اس قدر بدحواس ہوچکی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔جب انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو وہ سمجھیں کہ یہ ظالم ہم سے توحید کا انکار کروانا چاہتے ہیں تو ام شریکؓ کہنے لگیں خدا کی قسم میں اب بھی اسی پر قائم ہوں ۔(طبقات ابن سعد۔ تذکرہ ام شریک)

شرک سے علیحدگی

مختلف اسباب کی وجہ سے عورتیں قدیم رسم ورواج اور قدیم عقائد کی پابند ہوتی ہیں ،عرب میں مشرکانہ عقائد ونظریات اور باطل رسم ورواج پھیل کر قلوب میں راسخ ہوگئے تھے ؛لیکن صحابیاتؓ نے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی شدت سے ان عقائد کا انکار کیا۔اہل عرب کا خیال تھا کہ جو بتوں کی برائی بیان کرتا ہے، وہ مختلف بیماریوں اور آفتوں میں مبتلا ہوجاتا ہے؛ اس لیے جب سیدہ زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد طبعًا نابینا ہوگئیں، تو کفار نے یہ کہنا شروع کیا کہ ان کو لات اور عزی نے اندھا کردیا ہے؛لیکن انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات وعزی خود مجبور ہیں انھیں اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر۔(اسد الغابہ،تذکرہ زنیرہ)

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے، جو گھر گھر میں نصب تھے؛لیکن صحابیات نے ہر حال میں ان سے تبرا ظاہر کی۔سیدنا ابوطلحہؓ نے جب سیدہ ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، تو انھوں نے کہا ابوطلحہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ جن مورتیوں کو تم پوجتے ہو وہ لکڑی کی ہے، جو زمین سے اگتی ہے ۔پھر کہنے لگیں تم کافر ہو اور میں مسلمان ۔آپس میں نکاح کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اگر تم اسلام قبول کرلو، تو وہی میرا مہر ہوگا اس کے سوا تم سے کچھ نہیں مانگوں گی؛ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور اسلام لانا ہی ان کا مہر مقرر ہوا۔ (اسد الغابہ، تذکرہ زید بن سہل بن اسود)

شجاعت وبہادری

غزوات میں صحابۂ کرامؓ کی بہادری کے انمٹ نقوش سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں؛لیکن اس میدان میں بھی صحابیات پیچھے نہیں ہیں ۔صحابہ نے جس طرح داد شجاعت دی صحابیاتؓ کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں۔غزوۂ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ صحابہ کے قدم اکھڑ گئے اور میدان جنگ لرز اٹھا تھا؛لیکن حضرت ام سلیمؓ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کردیں۔حضرت طلحہ نے ان سے پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگیں : میں چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں۔(ابوداؤد، کتاب الجہاد)

غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں محفوظ کردیا تھا ایک یہودی آیا اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا حضرت صفیہؓ نے دیکھا تو حسان بن ثابتؓ سے کہا کہ یہ دشمن کا جاسوس معلوم ہوتا ہے، اس کو ٹھکانے لگادو، بولے کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ اب حضرت صفیہ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے اس دشمن کو مارا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔(اسد الغابۃ، تذکرۃ سمیہ بنت عبدالمطلب) مورخ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی ۔(اسد الغابہ)

سیدہ ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ ہیں، قبل از ہجرت جب مقام عقبہ پر مدینہ کے نیک لوگوں نے کفار قریش سے چھپ کر اسلام کی اشاعت اور رسول اللہ ﷺ کی امداد کے لیے رسول اللہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی ،تو اس مختصری جماعت میں سیدہ ام عمارہؓ بھی شریک تھیں؛ اسی طرح جنگ احد میں عین اس وقت جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ رہے تھے اور نبی کریم ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر حملے کررہے تھے اور جان نثار آگے آکر آکر اپنی جانیں قربان کررہے تھے یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں ۔اس دن کئی زخم ان کے دست وبازو میں آئے تھے ۔دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ۔صدیق اکبر کے زمانے میں جنگِ یمامہ میں بھی انھوں نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا اور جب تک ان کا ہاتھ بری طرح زخمی نہ ہوگیا اس وقت تک لڑتی رہیں (فتوحات اسلام، سید دحلان ص ۴۶)

سن ۶ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کا ارادہ کیا ،اور تحقیق حال کے لیے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا ان کے بارے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے شہید کردیا ہے ،اس وقت رسول اللہ ﷺ نے تقریبا تمام صحابۂ سے کفار قریش سے لڑنے مرنے پر بیعت لی ،جو اسلامی تاریخ میں بیعتِ رضوان سے مشہور ہے، موت پر بیعت کرنے والیوں میں حضرت ام عمارہؓ بھی شامل تھیں۔

ام زیاد اشجعیہؓ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کی مدد کی وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں ۔(مسلم ج ۲ ص ۱۰۵) ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابۂ کرامؓ کے لیے کھانا پکایا (طبری)

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں جنگِ قادسیہ اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والا زبردست اور فیصلہ کن معرکہ تھا ۔اس جنگ میں عرب کی مشہور شاعرہ حضرت خنساءؓ بھی شریک تھیں۔حضرت خنساء کے ساتھ ان کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر پر غور کررہا تھا؛ آتش بیان شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔

(ترجمہ اشعار) پیارے بیٹو !تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت بھی کی خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم جس طرح تم ایک ماں کے بیٹے ہو۔ ایک باپ کے بیٹے بھی ہو۔میں نے تمہارے باپ سے خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ تمہارے حسب ونسب میں داغ لگایا۔جو ثواب عظیم اللہ تعالی نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لیے رکھا ہے۔تم اس کو خود جانتے ہو خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دار فانی سے بہتر ہے۔اللہ فرماتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ۔

مسلمانوں صبر کرو اور استقلال سے کام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔کل جب خیریت سے صبح کرو ان شاء اللہ تو تجربہ کاری کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے تم دشمن پر جھپٹ پڑنا اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے تو خاص طور پر تم جنگ کی بھٹی کی طرف رخ کرنا اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ سے آگ ہورہی ہے تو غنیم کے سپہ سالاروں پر ٹوٹ پڑنا۔اللہ کرے کہ تم دنیا میں مال غنیمت اور عقبی میں عزت پاؤ۔(اسد الغابہ)

صبح کو جنگ چھڑتے ہی سیدہ خنساءؓ کے چاروں بیٹے یک بارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور آخر کار بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوگئے۔ سیدہ خنساء کو جب یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کہا :اس اللہ کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔

مورخ طبری نے جنگ یرموک میں سیدہ ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ابن اثیر جزری نے لکھا کہ معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت عمیس نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا ۔کہا جاسکتا ہے کہ یرموک کی جنگ میں اگر خواتین تلوار سونت کر رومیوں پر نہ پل پڑتیں تو شاید فتح نہ ہوپاتی۔(باقی آئندہ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ

موجودہ مسلمان

ہم لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب اعمال کے کرنے کا ذکر آتا ہے تو ہم لوگ چودھویں صدی کے رہنے والے ناکارہ اور ضعیف بن جاتے ہیں، بھلا صحابہ کرامؓ جیسے اعمال ہم سے کہاں ہوسکتے ہیں، وہ قوی لوگ تھے، وہ حضورؐ کے پاس بیٹھے والے تھے، وہ خیر القرون کے افراد تھے، بھلا ہم ان کی کیا حرص کرسکتے ہیں، دنیادار ہیں، دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں، مجبوریاں ساتھ ہیں، لیکن جب ان حضرات کی ترقیات کا ذکر آتا ہے، ان کے ملکوں پر فتح اور قبضہ کا ذکر آتا ہے ان کی عزت و وجاہت کا سماں بندھتا ہے تو ہم بھی مسلمان ہیں، حضورؐ کے نام لیوا ہیں، صحابہ کرامؓ کے جانشین ہیں، ان کے اخلاف ہیں اور ترقیات میں اُن کی ہمسری کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔

لیکن حق یہ ہے کہ ایسے خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے ، اگر ہمیں اِن ترقیات کی امنگ ہے تو ان کے سے اعمال کرکے ان ثمرات کا امیدوار بننا چاہئے۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال)

تزکیۂ نفس قرآن کی روشنی میں

(ادارہ)

قرآنِ حکیم علم وحکمت کا بحرِ بے کنار ہے۔ یہ وہ کتابِ مبین ہے جو ہدایت کا منبع اور معارف کا خزانہ ہے۔ اس کا موضوع انسان ہے، اس کے مضامین و موضوعات انسانی زندگی کی کامیابی اور فلاح کی ترجمانی کرتے ہیں۔ پھر اس کا دائرۂ کار وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ انفرادیت اور اجتماعیت، تصورات و اعتقادات کی وضاحت کرتا ہے۔ وحدت اور مساوات کی صراحت کرتا ہے۔ اخلاقی اقدار اور اعمال وافعال کی تطہیر کرتا ہے۔

تزکیۂ نفس کے حوالے سے یہ امر ذہن نشین رہے کہ تزکیہ کے لغوی معنی پاکی، صفائی اور نشوونما کے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو آلایشوں سے پاک صاف کرنا، نیکی کی نشوونما کرنا اور اس کو ترقی دینا ہے۔ مگر قرآنی مفہوم کے مطابق تزکیہ کے معنی نفس کو تمام ناپسندیدہ، مکروہ اور قبیح عناصر سے پاک کرکے خداخوفی، نیکی اور تقویٰ جیسی خوبیوں سے آراستہ کرنا ہے۔ رذائلِ اَخلاق سے بچنا اور فضائلِ اخلاق سے منور ہوکر بندگیِ خالقِ کائنات کو درجۂ کمال تک پہنچانا ہے۔ اس کے احاطے میں کردار و اَطوار، اعمال وافعال اور مشاہدات وتجربات کے ساتھ ساتھ احکامات کی تعمیل بھی آتے ہیں۔ یہ تمام اُمورانسانی طاقت سے باہر نہیں۔ انسان انھیں بہ رضا و رغبت اور بلاتردّد وکراہت انجام دے سکتا ہے۔ اس میں اشکال اور دقّتیں نہیں، صرف تعلیماتِ قرآن سے محبت درکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی عظمت وعزت خلیفۃ اللہ ہونے کے ناتے دیگر مخلوقات سے برتر ثابت کرنے کے لیے تزکیہ کو اختیار کرنے پر زور دیا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا یقیناً فلاح پاگیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیمات میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرامؑ کو بھی تزکیہ کی تلقین کو اپنی تبلیغ کی اساس بنانے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں اس دعا کو بیان فرمایا، جو حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ مانگ رہے تھے جس میں تزکیے کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ دراصل دعاے ابراہیمیؑ ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی استدعا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیلؑ مکہ مکرمہ میں اللہ کے گھر کی دیوار اُٹھا رہے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے: اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے۔ تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم، مطیع فرمان بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ یاد رکھیے یہ ایک برگزیدہ رسولؑ کی دلی کیفیات کی ربِ کائنات کے حضور التجائیں ہیں۔

یہ تمنائیں، آرزوئیں اور ندائیں یہیں ختم نہیں ہوجاتیں بلکہ روح کی صدائیں بصد احترام ہوا کے دوش پر تڑپ اُٹھتی ہیں۔ یہی حالت حضرت ابراہیمؑ کی ہے۔ وہ استدعا کرتے ہیں رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انھی کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

یہ ہے سیدنا ابراہیمؑ کی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہلی دعا، جس میں تزکیے کے فرض کو ادا کرنے کا بھی خصوصی ذکر ہے۔ گویا تعلیمِ قرآن وہ حاصل تزکیۂ نفس ہے جس میں زندگی سنوارنے، اخلاق، سخاوت، معاشرت، تمدن، سیاست غرضیکہ ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔

محسنِ انسانیت ﷺ کی پوری زندگی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ کس طرح آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کا تزکیہ کیا۔ جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر سپیدۂ سحر کی طرح منور کیا، دلوں کو آلودگی سے پاک کیا۔ رحم وکرم کی صفات سے متصف کیا۔ یہی تزکیہ کا عمل ہے جس نے صحابہ کرامؓ کو تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر پہنچادیا۔ اسی پر تو خالقِ کائنات نے فرمادیا: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ میں نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھیں میری آیات سناتا ہے۔ تمھاری زندگیوں کو پاکیزہ بناتا ہے، تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

یہ ایک فریضہ بھی ہے جو دیگر فرائض کے ساتھ سونپا گیا۔ یہ سلسلہ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے شروع نہیں ہوا بلکہ قبل ازیں بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرامؑ کو تزکیۂ نفسِ انسانی کی ہدایت کی ہے۔ ذرا حضرت موسیٰؑ کے تذکرے میں اس کام کو انجام دینے کے حکم پر غور کیجیے:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى کیا تمھیں موسیٰؑ کے قصے کی خبر پہنچی ہے، جب اس کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا کہ فرعون کے پاس جا، وہ سرکش ہوگیا ہے اور اس سے کہہ: کیا تو اس کے لیے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں تو اس کا خوف تیرے اندر پیدا ہو۔

ابن زید کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی تزکّی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآنِ مجید کی حسب ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں: وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے، یعنی اسلام لے آئے۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى اور تمھیں کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی اختیار کرے، یعنی مسلمان ہوجائے۔ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے، یعنی مسلمان نہ ہو۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص، بحوالہ ابن جریر)

یہی وہ حکمِ ربانی ہے جو حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا کہ تزکیے کی دعوت دو۔ اللہ تعالیٰ کا ابرِ لطف وکرم اہلِ ایمان پر ہمیشہ برستا رہا۔ یہ رحمت کی انتہا ہے کہ اللہ کے بندے پاکیزہ و مصفا ہوجائیں۔ گناہوں کی دلدل سے بچ جائیں اور دنیا میں پھیلے کانٹوں سے دامن بچا کر خوفِ خدا کو حرزِ جاں بنائیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور سرخ رو ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقعے پر مسلمانوں کے تزکیے کا حکم دیا جب مدینہ کے کچھ منافقین سچے دل سے ایمان لے آئے۔ فرمایا: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اے نبی ﷺ! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور اس سے تزکیہ کرو (نیکی کی راہ میں انھیں بڑھاؤ) اور ان کے حق میں دعاے رحمت کرو کیوں کہ تمھاری دعا ان کے لیے وجۂ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کتنی رحمت وشفقت ہے کہ خالق بنی نوع انسان اپنے بندوں کی تطہیر اور تزکیہ کا فریضہ اپنے رسول ﷺ مقبول کو اس وقت بھی سونپتا ہے جب انسان ضلالت کی راہ سے نکل کر منزلِ ہدایت کو پانے کے تمنائی ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو علم وحکمت کا خزانہ بنایا ہے۔ اس کی ہر آیت اہلِ ایمان کو ایسے ایسے جواہر عطا کرتی ہے، جن میں ایسے ایسے انوار ہدایت چمکتے دمکتے ہیں، جن کی قدر ومنزلت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ پھر ان کو عطا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا بھی اظہار کرتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک ایسا پیغمبر اُٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو پاکیزہ بناتا ہے (تزکیہ کرتا ہے) اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانائی (حکمت) کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

یہ آیات قرآنِ حکیم میں تین بار دہرائی گئی ہیں جن سے رسولِ اکرم ﷺ کے فریضۂ نبوت کی نشان دہی کی گئی ہے۔ سورۂ جمعہ میں اس آیتِ کریمہ کے کچھ تبدیلی کے ساتھ تقریباً یہی الفاظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تکرار سے بعثتِ رسول مکرم ﷺ کی ضرورت اور اہمیت کو اُجاگر کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ منصبِ نبوت، کارِ نبوت اور مقامِ نبوت کی بھی وضاحت کردی ہے کہ یہ کتابِ مبین، یہ صحیفۂ ہدایت اور یہ متاعِ حکمت تیری پونجی ہے جسے تو نے بانٹنا ہے۔ علاوہ ازیں خالقِ ارض و سماوات بندے کو خود بھی اپنا تزکیہ کرتے رہنے کی تلقین فرماتا ہے۔ مختلف اسلوب ہیں جن کے ذریعے ایک انسان تزکیہ کر کے فلاح دارین حاصل کرسکتا ہے، بُرائیوں سے بچ سکتا ہے۔ مقصدِ تخلیق کو سمجھ کر اس کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کائنات کا ہر انسان اپنا بوجھ خود اُٹھائے گا۔ کوئی بھی اس کا بوجھ اُٹھانے والا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں کی وضاحت قرآنِ مجید میں مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے۔ انسان کو سمجھاتا ہے بلکہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ ان کا تذکرہ کرو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ اور کوئی اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اُٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔ (اے پیغمبر ﷺ!) تم ان لوگوں کو نصیحت کرسکتے ہو جو بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لیے پاک ہوتا ہے اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں انسان کو تزکیے کی تلقین کی ہے۔ جتنے بھی احکامات ہیں، جتنی بھی ہدایات ہیں، سب کی اساس تزکیہ ہے۔ جو انسانی زندگی کو اس طرح نکھارتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور محسنِ انسانیت ﷺ کی اطاعت کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور دُنیوی واُخروی فلاح کو پانے کی جدوجہد کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک خاص عائلی مسئلے میں تزکیے کی برکت کا یوں اظہار کرتا ہے: وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کرلیں تو اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کرلیں، جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔ تمھیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے والے ہو۔ تمھارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ناپسندیدہ عمل سے گریز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے بچنا بھی تزکیے کے زمرے میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہوجاؤ۔ یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کس قدر ہمدرد، مصلح اور انسانوں کی مددگار ہے کہ وہ ان اسباب کا خاتمہ کرنے کی بھی فکر کرتی ہے جو کسی شخص کو اس بُرائی میں مبتلا ہونے پر اُکساتے ہوں، اس کے لیے مواقع بہم پہنچاتے ہوں یا اس پر مجبور کردیتے ہوں۔

جاہلیت میں اہلِ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صبح بخیر، شام بخیر کہتے ہوئے بے تکلف ایک دوسرے کے گھر میں گھس جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ ہر شخص کو اپنے رہنے کی جگہ میں تخلیے (privacy)) کا حق ہے اور کسی دوسرے شخص کو اس کے تخلیے میں اس کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر دخل انداز ہونے کی اجازت نہیں دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیے کے اس حق کو صرف گھروں میں داخل ہونے کے سوال تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ایک عام حق قرار دیا جس کی رُو سے دوسرے کے گھر میں جھانکنا، باہر سے نگاہ ڈالنا، حتیٰ کہ دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ثوبانؓ (نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام) کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اذا دخل البصر فلا اذن جب نگاہ داخل ہوگئی تو پھر خود داخل ہونے کی اجازت مانگنے کا کیا موقع رہا (ابوداؤد)۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوکر اجازت طلب فرمایا کرتے (ابوداؤد)۔ ایسی اور بھی احادیث مختلف کتبِ حدیث میں منقول ہیں۔ اگر تین دفعہ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد صاحبِ خانہ کی طرف سے اجازت نہ ملے یا وہ ملنے سے انکار کردے تو واپس چلے جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہی پاکیزہ طریقہ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی تزکیہ ہے جو نفسانی خواہشات، بے راہ روی اور فحش اقدام سے بچاتا ہے۔

ان تعلیمات کے بعد پھر ربِ جلیل نے محسنِ انسانیت ﷺ کو اہلِ ایمان کے تزکیے کے لیے ایک انداز کا حکم فرمایا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا يَصْنَعُوْنَ اے نبی ﷺ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی یا اپنی محرم خواتین کے سوا کسی دوسری عورت کو نگاہ بھر کر دیکھنے کو حلال نہیں قرار دیا ہے بلکہ اس دیدہ بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ بُری نظر سے دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے، آواز سے لذت لینا کانوں کا زنا ہے۔ ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ اور پاؤں کا زنا ہے (بخاری، مسلم، ابوداؤد)۔ آں حضور ﷺ سے اس نظربازی کے سلسلے میں بہت سی احادیث منقول ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالی جائے، فوراً پھیر لی جائے یا نیچی کرلی جائے۔ مسلم، ابوداؤد اور احمد نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے: کوئی مرد کسی مرد کے ستر کو نہ دیکھے، کوئی عورت کسی عورت کے ستر کو نہ دیکھے۔ الغرض جس شخص نے اپنی آنکھوں کی حفاظت کی اس نے تزکیہ کیا اور گناہوں سے محفوظ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاکیزگی کے عمل کو پسند فرمایا ہے۔

ستر کی حفاظت کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ کے بہت سے ارشادات کتبِ سنن میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا: فاللّٰه تبارك وتعالٰى احق ان يستحيا منه تو اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب نے کیا گل کھلائے ہیں۔ گھر، ٹی وی کی یلغار کی زد میں ہیں۔ کیا اشتہار، کیا ہوس ناکی سے لبریز ڈرامے اور کیا نغمہ وسُر ودسب فحاشی کی دعوت دیتے ہیں۔ ان پروگراموں کو اہتمام سے دیکھا جاتا ہے۔ غضِ بصر کا لحاظ کہاں رکھا جاتا ہے۔ ایسے ہی نفس پرستی کے ارتکاب سے ربِ جلیل منع فرماتا ہے اور ان فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے غضِ بصر کا حکم دیتا ہے بلکہ فرماتا ہے: ذٰلِكَ ازكٰى لهُم کہ ان کے لئے نظربازی سے بچنا اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنا پاکیزہ عمل ہے۔ یعنی یہی تو تزکیہ ہے۔ اسی طرح ہادیِ برحق ﷺ سے یہ بھی اسی سورہ میں فرمایا جارہا ہے: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اور اے نبی ﷺ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ اس کے بعد ان محرمان کا ذکر ہے جن کے سامنے بغیر پردہ جاسکتی ہیں۔ سورۂ لیل کا مطالعہ کیجیے، جس میں زندگی کے دو مختلف راستوں کا فرق اور ان کا انجام واضح کیا اور ان نتائج کو دل میں اُتارا گیا ہے، جن میں ایک بھلائی کا راستہ ہے اور دوسرا بُرائی کا راستہ۔ پہلی قسم کی خصوصیت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلی یہ کہ انسان مال دے، خدا ترسی اور پرہیزگاری اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے۔ دوسری یہ کہ انسان بخل کرے۔ خدا کی رضا اور ناراضی کی فکر سے بے پروا ہوجائے اور بھلی بات کو جھٹلا دے۔ یہ دونوں راستے نتائج کے لحاظ سے ہرگز یکساں نہیں۔ پہلے طریقے میں بھلائی کرنے والے کے لیے بدی کرنا مشکل ہوجائے گا اور دوسرے طرزِ عمل میں اللہ تعالیٰ اس کے عامل کے لیے زندگی کے بدی کے راستے کو سہل کردے گا۔

سورہ کے دوسرے حصے میں تین حقیقتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے انسان کو بے خبر نہیں چھوڑا، اس نے یہ راستہ بتا دینا اپنے ذمے لیا ہے کہ زندگی میں انسان کے لیے سیدھا راستہ کون سا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک اللہ ہے۔ دنیا مانگو تو دنیا دے گا۔ آخرت کی فلاح مانگو تو فلاح دے گا۔ تیسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ جو بدبخت اس بھلائی کو جھٹلائے گا، جو رسول ﷺ اور کتاب کے ذریعے سے پیش کی گئی ہے، اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ اور جو خدا ترس آدمی پوری بے غرضی کے ساتھ محض رضاے الٰہی کے لیے اپنا مال راہِ خیر میں خرچ کرے گا، اس کا رب اس سے راضی ہوگا اور اسے اتنا کچھ دے گا تو وہ خوش ہوجائے گا۔ اس سورت کی آخری پانچ آیات تزکیہ اور اس کے انعامات کو بیان کرتی ہیں: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى جو بڑا پرہیزگار ہے وہ بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو۔ وہ اس لیے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے، جس کا وہ بدلہ اُتارتا ہے، بلکہ اپنے خداوند اعلیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہوجائے گا۔ یہی رضاے الٰہی کا حصول ہی تو حقیقی تزکیہ ہے، جو انسان کی متاعِ آخرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اس کی شیطنت صحرا بہ صحرا، دریا بہ دریا، کوبہ کو پھیلی ہوئی ہے۔ کیسے کیسے وساوس، کیسے کیسے حربے اور کیسے کیسے نفس پرستی کے ہتکھنڈے (بقیہ صفحہ ۸ پر)

(دعوتی خطاب)

دعوت کا میدان

مولانا محمد عمران خان ندوی ازہریؒ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی الہ الطاہرین أما بعد

یا أیھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا و ریاء الناس و یصدون عن سبیل اللہ

معزز بھائیوں! اللہ تعالی نے ہر چیز کے جاننے اور معلوم کرنے کے لئے کچھ نشانات وعلامات رکھے ہیں جب وہ علامات ظاہر ہوتے ہیں تو لوگ صاحب علامت کو پہچان لیتے ہیں، جب کسی کو کہا جائے کہ اس میں دین آرہا ہے یا وہ دین کے قریب ہورہا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس میں تین چیزوں کا وجود ہورہا ہے۔

(۱) تواضع وانکساری: تواضع کا حاصل یہ ہے آدمی اپنے کو ہیچ سمجھے اور اپنے ساتھ حسن ظن نہ رکھے نیز دوسروں کے ساتھ سوءظن نہ رکھے، تواضع کا ظہور آدمی کے کردار، گفتار، رفتار اور عادت واطوار میں نمایاں ہوگا، جب اللہ کا یقین چھایا ہوگا، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند کرتا ہے من تواضع للہ رفعہ اللہ اور جو تکبر کرتا ہے اللہ اس کو گراتا ہے یہاں تک کہ اس کو کتا اور خنزیر سے زیادہ ذلیل کرتا ہے و من تکبر وضعہ اللہ۔

حضرت عمرؓ اپنے انتقال کے وقت فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی میرے ساتھ اعمال میں معاملہ برابر کا فرمالے

(بقیہ محرم الحرام، صبر، قربانی اور انسانی وقار کا ابدی پیغام صفحہ نمبر ۲)

اللہ تعالیٰ اپنے دین، اپنی کتاب اور اپنے اولیاء کی مدد ضرور فرماتا ہے، آخر کار کامیابی متقیوں ہی کا مقدر بنتی ہے، بشرطیکہ وہ اپنے دین سے وابستہ رہیں اور اللہ تعالی سے مدد طلب کریں۔

ارشادِ ربانی ہے: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ "اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، جو زبردست، حکمت والا ہے" (آل عمران:۱۲۶)

اور فرمایا: إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ "یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے، دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کا کوئی عذر نفع نہ دے گا، اور ان کے لیے لعنت اور بدترین ٹھکانا ہوگا" (غافر:۵۲/۵۱)

عاشوراء وہ دن ہے جب فرعون کا لشکر پیچھے اور سمندر آگے تھا، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ندامت کیا، رسول اکرم ﷺ رات رات بھر نمازیں پڑھتے اور کبھی تمام رات دعائیں کرتے، جب صحابہؓ اور حضرت عائشہؓ عرض کرتیں آپ کیوں اتنی مشقت اٹھاتے ہیں اللہ نے اگلے پچھلے آپ کے گناہ بخش دیئے ہیں تو آپ فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں أفلا أکون عبدا شکورا

(۳) تیسری چیز ایمان و یقین والوں سے اظہار محبت ہے ہم عصر سابقین کے لئے مغفرت ہے اور اپنے لئے طریق ہدایت، سابقین سلف کا طریق ہدایت ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے ربنا اغفر لنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان و لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارے لئے اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ہم سے ایمان و یقین میں سابق ہیں مغفرت کیجئے اور ان مومنوں کی عداوت ہمارے دل میں نہ ڈالئے۔

دوسری آیت کریمہ میں ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیھم ترجمہ: اور آپ ہمیں اس سیدھے راستہ کی ہدایت دیجئے جو ان کا راستہ ہو کہ آپ نے ان پر انعام فرمایا ہے جو انبیاء و صدیق ہیں اور شہداء وصالحین ہیں بلاشبہ حضرات قرون ثلاثہ اس میں داخل ہیں۔ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اور ظاہر ہے جب اصحاب

تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ ایمان قبول نہ کیا، کیونکہ وہ مجبوری اور آخری لمحے کا اعتراف تھا۔ فرمایا: آلآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ "اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسدین میں سے تھا! آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو ان لوگوں کے لیے عبرت بنے جو تیرے بعد آئیں۔" (یونس:۹۲/۹۱)

یقیناً یوم عاشوراء ہر مؤمن کو یہ یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے وفاداروں کو، اپنے راستے میں لڑنے والوں کو، ضرور کامیابی عطا فرماتا ہے۔

یہ دن ہمیں بتاتا ہے کہ باطل خواہ جتنا بھی غرور وتکبر کا مظاہرہ کرے، اس کا انجام ذلت ورسوائی ہی ہوتا ہے۔ فرعون نے دعویٰ کیا: مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي "میں نہیں جانتا تمہارے لیے کوئی اور معبود میرے سوا!" (القصص:۳۸)

اور یہاں تک کہہ دیا: أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں" (النازعات:۲۴)

لیکن جب اللہ کی پکڑ آئی، تو اس کا اقتدار، فوج، ایمان ویقین سے محبت ہوگی تو عداوت نہ ہوگی اور جب دعاء مغفرت ہوگی تو دعا اقسام ذلت نہ ہوگی اور جب دین اسلام میں مقصود ان کا طریق ہدایت ہے تو ہمیں بھی مطلوب اللہ کی دعوت ہے، نہ دولت ہے نہ عزت و حکومت ہے۔

تینوں نشانیاں جو بتلائی گئی ہیں کہ دین سے قریب ہونے والے یا دیندار میں ہونی چاہئیں اللہ تعالی نے ایک آیت میں ان کو جمع فرمادیا ہے یا أیھا الذین آمنوا لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا و ریاء الناس و یصدون عن سبیل اللہ ترجمہ: اے مسلمانوں تم ان کی طرح مت رہو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے نکلتے ہیں اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے (شان وشوکت وقوت کو) اور اللہ کے راستہ سے باز رکھتے ہیں (لوگوں کو) اس میں تین چیزوں کی ممانعت ہے اترانا، ریاکاری کرنا، اللہ کے راستہ سے باز رکھنا، اصول میں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب کسی چیز سے بھی روکا جائے تو اس کے خلاف چیز کا حکم دیا جارہا ہوتا ہے جیسا کہ تفسیر بیضاوی اور ابوسعود میں اسی آیت کے تحت تحریر ہے کیونکہ بطر کی ضد تواضع ہے اور ریا کی ضد اخلاص نیت ہے اور صد عن سبیل اللہ کی ضد دعوت الی اللہ ہے تو درحقیقت اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ تم متواضع رہو اتراؤ مت، اللہ کے خاطر نیت کو خالص کرتے رہو،

وسائل اور دعوے سب خاک میں مل گئے۔

ارشادِ ربانی ہے: فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ "تو اللہ نے اسے آخرت و دنیا دونوں کی سزا میں پکڑ لیا، اس میں ہر اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔" (النازعات:۲۶/۲۵)

ماہِ محرم اور ہجرتِ نبوی

محرم کا مہینہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کی یاد دلاتا ہے، جب آپ ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور اسلام کا ظہور وغلبہ شروع ہوا۔

ہمیں چاہیے کہ اس اسلامی ہجری تقویم پر اللہ کا شکر ادا کریں جس کا آغاز ہجرتِ نبوی ﷺ سے ہوتا ہے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے دین، اپنی تاریخ، اپنے اخلاق، اپنے فیصلے اور معاملات میں دنیا کی دوسری اقوام سے ممتاز رہیں۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

عاشوراء کی ایک المناک اور حیران کن حقیقت یہ بھی ہے کہ اسی دن سید شباب اہلِ جنت (نواسۂ رسول ﷺ) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما آزمائش کے دوران

اعمال پر نادم رہو، مظاہرہ مت کرو اور طریق دعوت و ہدایت میں سلف کا طریقِ دعوت وہدایت اختیار کرو، جو اللہ کے راستے میں جہد ومحنت ہے، جو دین پر چلنے چلانے کے لئے نقل وحرکت ہے جس سے یقین میں اضافہ اور قوت ہے، جو تیرنا یا تیرانا چاہے وہ پانی کے پاس جائے خشکی میں یہ کام دشوار ہے جس طرح ایک انگریز ماہر قواعد تیراک کالون کالج لکھنؤ ملازم ہوکر آیا اور کالج کے بچوں کو قواعد سکھاتا رہا، حالانکہ وہ تیرنا نہ جانتا تھا، اس لئے بچوں کو صرف علم قواعد زبانی آیا تیرنا نہ آیا، جس طرح ہاکی وفٹ بال میدان میں آتے ہیں اسی طرح دینی دعوت کا عملی ظہور میدان میں ہوتا ہے جو خود پر جاری کیا جائے یا دوسروں پر رائج کیا جائے، یہاں بھی مقصود صرف ظاہری علم سے حاصل نہیں ہوتا، جب میدان میں چلا اور چلایا جائے اسی پر نصرت کا وعدہ ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم اور مرد مومن امر معروف کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے کنتم خیر أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف اور حضرت محمد ﷺ کی مکی زندگی در در پھرنے کی ہے اور مدنی زندگی بالعموم استقامت کی ہے اور وفود کی روانگی کی ہے۔

(نشان منزل بھوپال یکم مارچ ۱۹۵۶ء، صفحہ ۳)

حالتِ مظلومیت میں شہید ہوئے۔

ہر مسلمان کا دل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر غمگین ہوتا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے نواسے تھے بلکہ علم، فضل، عبادت، سخاوت اور شجاعت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے تاریخ کے اس المناک واقعہ کا یوم عاشوراء کی شرعی حیثیت سے کوئی براہ راست تعلق نہیں کیونکہ یہ اتمام دین کے ۶۰ برس بعد پیش آیا ہے۔

نواسہ رسول ﷺ کی فضیلتوں میں ایک اضافہ یہ بھی ہوا کہ عاشوراء جیسا اہم وعظیم دن ان کی شہادت کے لئے مشیت ایزدی نے منتخب کیا اور یوم عاشوراء جو حق وباطل کی کشمکش کے لئے ایک تاریخی یادگار ہے حق پرستوں کے قافلے میں آپ کا نام نامی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت نوح علیہ السلام کے شایان شان شامل ہوگیا نیز آپ کا اسوہ تا قیامت حق پرستوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یومِ عاشوراء کی عبرتوں کو سمجھنے، اور دین پر قائم رہ کر کامیابی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(بقیہ تزکیہ نفس قرآن کی روشنی میں از ادارہ، صفحہ نمبر ۷)

اس کی سرشت میں جلا پاتے ہیں کہ ہر انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیتا ہے۔ حقیقتاً وہ ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اسی لیے تو خالقِ بنی نوع انسان نے ہمیں متنبہ کیا ہے: (باقی صفحہ نمبر ۸ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی ہی کا حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا۔ مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کردیتا ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت سے قبل اس سورت میں واقعۂ افک کا تذکرہ کیا ہے، جس میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تھی، مگر اس کے بارے میں ربِ علیم و خبیر نے اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم نے حُسنِ ظن کیوں نہ کیا، سوءظن کیوں کیا۔ اس کے بعد اس آیت میں اہلِ ایمان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تو فحش اور بدی کی طرف بلاتا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے اس طرح کی ایک ایک حرکت کے اثرات معاشرے میں کہاں کہاں تک پہنچتے ہیں۔ کتنے افراد متاثر ہوتے ہیں اور اس اجتماعی زندگی کے نقصانات کتنے ہیں جو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں نہیں ہیں، بہت بڑی باتیں ہیں۔ شیطان کے ان حربوں سے بچو۔ ان وساوس کی زد میں آکر کوئی شخص بھی پاک صاف نہیں

قرآنِ حکیم نے نفسِ انسانی کے تزکیے کے لیے رہنمائی دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا تزکیہ کرتا ہے۔ انبیائے کرامؑ کو اہلِ ایمان کا تزکیہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور پھر اہلِ ایمان کو خود تزکیہ کی روش اختیار کرنے کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ اس کے بندے نیکی، خدا خوفی اور فضائلِ اخلاق سے آراستہ ہوکر اس کے پسندیدہ بندے بن جائیں اور دنیوی اور اُخروی کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

قرآنِ کریم نے تزکیۂ نفس کے اور بھی عوامل کا ذکر کیا ہے۔ تقویٰ اختیار کریں، انفاق فی سبیل اللہ کو اپنی فائدہ مند تجارت بنائیں، باطنی صفات میں اخلاص کو کلیدِ تزکیہ بنائیں۔ ذکر وفکر سے تزکیے میں مدد لیں اور خلوصِ دل سے استغفار کے لیے نماز، زکوٰۃ اور فریضۂ حج کو اپنی فلاح کا ذریعہ بنائیں۔ چنانچہ دل کی گہرائیوں میں اُتارلیں کہ قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ فلاح پاگیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی

بقیہ: زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے صفحہ نمبر: ۱

دنیا کے ہر مذہب بالخصوص ہمارے دین اسلام میں قرآنی آیات اور احادیث رسول ﷺ سے بہت وضاحت کردی گئی ہے اور سمجھا دیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد زندگی خدا کی بندگی اور اس کی رضا کی فکر ہے، دنیا کی اور قومیں دین وایمان کی نعمتوں سے محروم ہیں لیکن ہم خیر امت ہیں، ہمارے پاس توحید، رسالت اور آخرت کے صحیح عقائد ہیں ہمارے پاس قرآن وسنت کا ذخیرہ ہے، ہمارے سامنے ہمارے رسول ﷺ کا کامل اور احسن نمونہ ہے ہمارے پاس صحابہ کرام کے ایثار وقربانی، ان کی سرفروشیاں، ان کے اخلاص، اخلاق وکردار کی مثالیں ہیں، ہمارے کانوں کے ذریعہ لاکھوں مسجدوں سے ہر دن توحید ورسالت کی پانچ مرتبہ بلند آوازیں دلنشیں ہوتی ہیں، ایک امام کی اقتداء میں ہزاروں بندگانِ خدا کی صف آرائیاں ہم دیکھتے ہیں، ہمارے پاس اسلاف کی سیرتیں اور تاریخیں ہیں جن کے مطالعہ سے ہم روحانی غذا حاصل کرسکتے ہیں، علماء کرام حفاظ کرام مبلغین اور داعیان حق کی سرگرمیوں سے ہم کو روشنی مل سکتی ہے! ان سب کے باوجود ہم تغافل میں مبتلا ہیں، زندگی کے اصل مقصد اور فکر آخرت کو فراموش کئے ہوئے ہیں کیا یہ سارے احوال ہماری بے بسی اور مظلومیت کا سبب نہیں ہے؟ کیا ہم رحمت الٰہی کا استحقاق کھو نہیں بیٹھے ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک کو انفرادی اور اجتماعی طور پر سوچنا اور اعتراف کرنا چاہیے کہ ؎

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

مالک، پرنٹر و پبلشر دارالعلوم تاج المساجد بھوپال نے سوپر پرنٹنگ پریس، ۱۷، چوکی تلیا روڈ بھوپال سے چھپوا کر دارالعلوم تاج المساجد بھوپال ۴۶۲۰۰۱ سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی

Owner, Printer and Publisher: Darul Uloom Tajul Masajid Bhopal, printed by Super Printing Press, 17 Chowki Talayya Road Bhopal & Published from Darul Uloom Tajul Masajid Bhopal 462001. Editor: Maulana Umairus Siddiq Nadwi Daryabadi.